



اسلامی احکام

(استدلالی فقہ)

قرآن حکیم کی نگاہ میں

زن و مرد کی حیثیت!

(باب نکاح و خاندان)

از

ثقۃ الاسلام طلعت سیدہ اعلی اللہ مقامھا

مطابق فتاویٰ

سید حسین مرتضی نقوی

زہرا (س) اکادمی و کتابخانۂ مرتضوی

وانہ ولی التوفیق

کتاب کا نام------------------ اسلامی احکام (استدلالی فقہ)

قرآن حکیم کی نگاہ میں زن و مرد کی

حیثیت

(باب نکاح و خاندان)

تالیف و تحقیق----------------- ثقۃالاسلام طلعت سیدہ اعلی اللہ مقامھا

(۱۹۸۵ء/۲۰۲۰ء)

و

سید حسین مرتضی

ناشر------------------------ زہراء (س) اکادمی و کتابخانہ مرتضوی

کراچی پاکستان

طباعت ----------------------- ۱۱رجب المرجب ۱۴۴۷ھ/یکم جنوری ۲۰۲۶ء

کمپوزنگ و مشاورت-----------حجۃالاسلام سید عقیل عباس نقوی،

حجۃ الاسلام سجاد حسین قائمی

جوازِ عمل!

رحمٰن و رحیم اللہ عزوجل کے حضور کمالِ اخلاص اور حضرت رحمۃللعالمین نیز آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور عرضِ ادب اور درود وسلام رحمت الٰہی کے بعد :

"اسلامی احکام" ہمارے فتاویٰ پر مشتمل کتاب ہے۔

اب ہم ان احکام کو اپنے فقہی استدلال کے ساتھ ایسی زبان اور اسلوب میں پیش کر رہے ہیں، جو عام فہم ہو۔

اس میں جو فتاویٰ موجود ہیں جس بشر کو ان فتاویٰ پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آئے،اور اس کو ان پر اعتماد ہو۔

وہ ان کے مطابق اللہ عزوجل کے حضور کمالِ اخلاص سے عمل کر سکتا ہے۔

انشاء اللہ ان فتاویٰ کے مطابق عمل اللہ جل جلالہ کی خوشنودی، اخروی نجات و سربلندی نیز حضرت رحمۃ للعالمین اور اہل بیت اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مسرت و شفاعت کا سبب ہو گا۔

ان اللہ ولی التوفیق

العبد للہ العزیز الرحمٰن الرحیم

سید حسین مرتضٰی نقوی

حوزہ علمیہ قم

شکر و سپاس!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکر و سپاس

اللہ جلّ جلالہ کا نہ ختم ہونے والا شکر و سپاس ہے، جو اس کی نعمتوں اور رحمتوں کے مقابلے میں ذرہ ناچیز کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

ایسا شکر جو خود اللہ عزّوجل کو پسند ہو۔ ایسا شکر جس کا وہ واقعا اہل ہے۔ ایسا شکر جس میں ہمارے جسم و جان، عقل و خرد، تفکر و تدبر، روح و ابدیت و عبادت کا رُواں، رُواں اور ذرہ، ذرہ، اللہ عزّوجل کی رحمت و کرامت و عبدیت و عبودیت و عشق و خلوص کی گہرائیوں کے ساتھ ازل سے ابد تک مصروف ہے اور رہے گا۔

ہمارے فکری، علمی اور عبادی سفر میں عدم سے ابتداء بشریت اور بشریت کی ابتداء سے اب تک زندگی کے تکامل کے انتہائی مراحل تک اللہ عزّوجل کے انبیاء، ائمہ و اولیاء علیہم السلام اور اللہ عزّوجل کے جن خالص و مخلص بندوں نے ہماری خالصانہ و مخلصانہ مدد فرمائی۔ جن میں بہت سے ہمارے آباء و اجداد اور جدات و امہات کا درجہ رکھتے ہیں۔ کچھ ہمارے آباء و اجداد کے تحفوں کی طرح کے وہ رشتے ہیں جنہیں شریک روح و حیات و جسم و جان یعنی بیوی اور سسرالی رشتہ دار پھر اس کا بہترین ثمر اولاد، بیٹے، بیٹیاں، بہوویں، داماد اور پھر ان کے ذریعہ سے بننے والے نئے رشتے جو سمدھیانے (بیٹوں اور بیٹیوں کی سسرال ماں باپ کے لیے سمدھیانا کہلاتی ہے) کہلاتے ہیں، پھر نواسے نواسیاں، پوتے پوتیاں اور پرنواسے پرنواسیاں، پرپوتے پرپوتیاں اور اسی طرح سے آگے بڑھتے جانے والے محبتوں کے لازوال رشتے جو بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

ا۔الف

اسی طرح علمی تحقیقی، عقلی، فکری اور روحانی والدین، اولاد اور رشتہ داریاں جو بالکل جسمانی ہی رشتہ داریوں اور تعلقات کی طرح ہوتی ہیں۔ یہ کبھی براہِ راست استاد اور شاگرد ہوتے ہیں، کبھی بالواسطہ بے جیسے بیٹے، بہوئیں، پوتیاں، نواسیاں، پوتے، نواسے وغیرہ اور کبھی بہت دور کے واسطوں سے ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم و حوا، انبیاء وائمہ طاہرین علیہم السلام، علماء اور اولیاء کرام۔ یہ سب بھی ہمارے لیے تعلیم و تعلم، تعقل وتدبر اور تفکر و تحرک کے آباؤ اجداد، سسرال، سمدھیانے ددھدیال وننھیال اور اولاد واحفاد ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر غیر محسوس طور پر ایک دوسرے سے علمی، تحقیقی، فکری اور روحانی رابطہ میں رہتے ہیں اور اس کا لطف بھی اٹھاتے ہیں، اس کو محسوس بھی کرتے ہیں اور اس کا احترام بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ زمانہ اور مراحلِ حیات کے لحاظ سے ہم سے بہت طولانی فاصلوں پر ہوتے ہیں، جیسے وہ والدین اور افراد جو ابھی صدیوں بعد اس دنیا میں آئیں گے یا وہ افراد جو صدیوں پہلے اس دنیا میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرکے بظاہر ہمیں مردہ نظر آتے ہیں لیکن وہ ایک نئ اور ترقی یافتہ زندگی جو قرآن حکیم کی اصطلاح میں "حیاتِ طیبہ" ہے، میں نئ جولانیوں کے مزے لے رہے ہیں۔ یہ لوگ وہاں سے ہمارے لیے بہت مضبوط اور غیر محسوس مددگار و معاون ہوتے ہیں۔

یہ سب ہی ہمارے محسن، مددگار، معاون اور ہماری عقلی، فکری اور روحانی زندگی کے روح رواں اور رہبر وراہنما ہوتے ہیں۔

بہت سے افراد ان شاگردوں، احباب، ہماری تقریروں، درس اور کتابوں کے ذریعہ روحانی اور فکری لہروں کے واسطہ سے ہم سے رابطہ میں رہتے ہیں اور ہماری راہنمائی کرتے رہے ہیں۔

یہ سب اللہ جلّ جلالہ کی وہ عظیم الشان اور بے نہایت نعمتیں ہیں جن کا نہ تو حساب ممکن ہے نہ ہی ان کا شکر و سپاس ہی ہماری توانائیوں کی حدود میں ہے۔ ان کی تعداد کی کوئی حد نہیں ہے۔ نہ ہی ہمیں ان کے نام یاد ہیں اور نہ ہی اس جگہ میں اتنی گنجائش ہے کہ ان کے ناموں کی فہرست لکھی جاسکے۔

ان میں ہمارے معاشرتی، سماجی، علمی، دینی، سیاسی اور دنیوی معاملات کے ماہر، خاندان کے بزرگ، اساتذہ، دوست، متعلقین، ساتھی، شاگرد اور ملائکہ و اجنہ وغیرہ، بلا تفریق جنس وملیت ورنگ و بو، دین و مذہب، فکری، علمی اور مذہبی اختلاف کے حامل کائنات کے بہت سے افراد شامل ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس سفر میں کائنات کے بہت سے افراد شامل ہیں تو اس سے مراد ہماری مراد بشر اور انسانی افراد کے علاوہ چرند و پرند، زمین اور زمین کے متعلقات نظام شمسی، فضاؤں اور خلاؤں میں رہنے والے ناقابل دید یا بظاہر بے جان افراد اور کائنات کی پہنائیوں میں موجود کہکشائیں اور گیس کے بڑے بڑے لامتناہی بگولے اور ابتدائے خلقت سے پہلے عدم بھی شامل ہیں۔

مثلا ہم نے اپنے بہت بچپنے میں پانچویں چھٹے برس کے سن و سال سے گرمیوں کی جلتی دوپہروں میں چھت پر جا کر کھلے آسمان کے نیچے چھت کی زمین پر بغیر چادر اور گدہ بچھائے گھنٹوں سورج سے بغیر جھپکے آنکھیں لڑائی ہیں اور نہ صرف سورج نے بلکہ اس کے ارد گرد کی فضا میں دن کو نہ دکھائی دینے والی کہکشاؤں نے ہم سے گفتگو کی ہے، ہمیں فکر کی روشنی دی ہے، ہماری فکر کو پرواز کے نئے راستے بتائے ہیں۔

اسی سن و سال میں اسی کڑاکے کی دھوپ میں ہم نے دیوار میں لگی ہوئی ننگی یعنی بغیر پلاسٹر کی اینٹوں کو پڑھا پڑھا کر عربی اور فارسی زبان بغیر کسی کتاب اور استاد کے سیکھی ہے۔ ہمارے

بہت اچھے استادوں کبوتر اور مرغیوں کو پال کر ہم نے اس سے ازدواجی، معاشرتی اور اولاد حاصل کرنے اور ان کی پرورش، خاندان اور ارد گرد کے لوگوں سے سلوک کے طریقے سیکھے ہیں۔ کبوتروں ہی سے ہم نے صالح عشق اور اس کے نتیجے میں ازدواجی روابط اور دوسرے معاشرتی روابط کے آداب سیکھے ہیں۔

راتوں کی گہرائیوں میں چاند کی راتوں کے ساتھ ساتھ انتہائی تاریک راتوں میں چندا ماموں اور کہکشاؤں اور ستاروں سے بھرپور چندا ماموں کے رشتہ داروں کے پھیلاؤں سے کائنات اور بشر کے روابط کی گہرائیوں اور ان کے فوائد کے ادراک کی پرورش کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ خود ہماری ایک بہت عجیب و غریب دنیا ہے جس سے ہمیں اللہ عزّوجل کی قدرتوں کے ساتھ ساتھ اس کے قرب و عشق و رحمت و کرامت کا ادراک اور اس میں غوطہ زن رہنے کے آداب اور لذت ملی ہے۔

ہمارا یہ سفر بھی ابھی تک جاری و ساری ہے اور ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کے واضح اثرات موجود ہیں۔

ان سب ہی نے ہماری علمی، عملی اور فکری پرواز اور ارتقاء میں ہماری بے پناہ مدد فرمائی ہے۔

اکثر پیار اور محبت کے ذریعہ

کبھی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں کے ذریعہ

کبھی اختلاف کے باوجود ہمت افزائی کے ذریعہ

کبھی شاباش دے کر

کبھی پیار اور محبت سے بھرپور سزا اور تنبیہ کے ذریعہ

کبھی ہمارے معلومات اور افکار کے نوک پلک سنوارنے کے ذریعہ

کبھی پر سکون حالات اور مواقع فراہم کرنے کے ذریعہ

کبھی علمی، معلوماتی اور فکری میدانوں کے نئے خزانوں تک ہماری رسائی کے راستے کھولنے کے ذریعہ

کبھی اپنی انتہائی گہری خاموشی کے ذریعہ

کبھی علمی، تحقیقی اور فکری پرواز کی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے، مختلف ملکوں، کتابخانوں، تعلیمی، علمی اور تحقیقی اداروں تک رسائی کے حالات اور وسائل فراہم فرمانے کے ذریعہ

کبھی خاموشی سے بغیر طلب کے ہمارے تحقیقی اور فکری میدانوں کے ضروری وسائل یا ان وسائل کے حصول کے لیے بہت اہم مالی تعاون کے ذریعہ

کبھی فقط ہمت افزائی کے ذریعہ

بلکہ

بعض چاہنے والوں نے تو اپنی محبت کو سخت دشمنی، عناد، حسد اور بغض کا روپ دے کر ہماری ہمتوں کو بلند کرنے اور جولانیاں فراہم کرنے کے ذریعہ۔

سچ بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ جلّ جلالہ کی رحمت و کرامت اور محبت و عشق کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ان معاونوں کی تعداد اللہ عزّوجل کی دوسری نعمتوں کی تعداد کی طرح لامحدود اور اَن گنت ہے۔

اس لیے اس سلسلہ میں ہم کسی ایک شخص کا نام لکھ کر کسی دوسرے کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

ہم ان سب کے لیے ہر لحہ اور ہر آن، ہر جگہ اور ہر مقام پر سوتے، جاگتے، غنودگی کے عالم میں بھی دل کی گہرائیوں سے بہترین دعائیں کرتے ہیں۔

اس عظیم الٰہی نعمت پر ہمارا رواں دواں، جو اللہ جلّ جلالہ کے لامتناہی شکر و سپاس میں مشغول و مصروف رہتا ہے، ہماری طرف سے ان سب کی زحمتوں، محبتوں، کرامتوں اور عزت افزائیوں کا یہ سب سے بہتر خزانہ، تحفہ اور سب سے بہتر دعائیں ہیں۔

اللہ عزّ وجل دلوں کے اسرار پر مسلط ہے۔

اس لیے یہیں پر ہم اپنے نذرانۂ عقیدت کو ختم کرتے ہیں۔

ہماری بہترین دعا یہی ہے۔

الحمد للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم

یہ حمد اس کی ان تمام نعمتوں پر ہے جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

ایسا شکر و حمد جو خود اللہ عزوجل کو پسند ہے، اس کے شایانِ شان ہے اور تا ابد ہمارے روئیں روئیں میں یہ حمد پھولتی، پھلتی اور رواں دواں رہے گی۔

حرف اول و آخر

براہ کرم

کتاب کے مطالعہ سے پہلے اسے ضرور

اچھی طرح سمجھ

کر پڑھ لیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل و آخر

الحمدلله رب العالمین الرحمٰن الرحیم، والصلوٰة والسلام علی جمیع مخلوقات الله و الانبیاء و المرسلین لاسیما آدم و حواء و نوحاً و ابراهیم و آل ابراهیم و عیسیٰ و موسیٰ و محمد و اهل بیته الطیبین الطاهرین المعصومین والعلماء و المؤمنین و الشهداء و المجاهدین و الناصرین لله رب العالمین من اول الدنیا الی فنائها برحمتک الواسعة و بحرمة محمد و آله الطاهرین۔

اللہ عزوجل کو ہم فقط حاضر و ناظر جان ہی کر نہیں، بلکہ،اس کی ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قربت کے واقعی ادراک واحساس وایمان کے ساتھ آپ سب کی خدمت میں سب سے پہلے۔

سلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ ورضوانہ،کاہدیہ ونذرانہ پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد عرض خدمت ہے کہ ہم نے بہت بچپنے سے اب تک، خود کو ہر قسم کی آلائشوں، ناروا پابندیوں اور اللہ عزوجل کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت وفرمانبرداری اور غلامی سے آزاد رکھاہے۔

ہم نے رضاء الٰہی کے ادراک،اس کے انبیاء ومرسلین خصوصاً حضرت رحمۃ للعالمین واہلبیت اطہار علیہم الصلوٰۃ و السلام اور اللہ عزوجل کے زندہ، متحرک اور بولتے ہوئے کلام کو اللہ عزوجل کی دی ہوئی بہت عظیم نعمت یعنی عقل کو بروئے کار لاکر خالصتاً للہ،ان کے مطالب و مفاہیم کو اللہ عزوجل کی مرضی اور ان ہستیوں کے دل و جگر اور عقل و خرد میں اتر کر ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے علم و معرفت کے خزانوں سے استفادہ کیا اور اللہ عزوجل کے کلام کو خود اسی سے سن کر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اس لیے ہم جو کچھ آپ کی

خدمت میں نذر کر رہے ہیں وہ نسل در نسل کی زحمتوں، مشقتوں اور تفکر و تدبر کا وہ نچوڑ ہے جو ہم نے بڑی ریاضت سے حاصل کیا ہے۔ اب ہم اسے گوہر نایاب بنا کر آپ کی خدمت میں نذر کر رہے ہیں۔

یہ نذرانہ اس لیے نہیں ہے کہ:

کوئی اسے پڑھے، اور فوراً ہی اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے چہ می گوئیاں کرے اور اسے کرچیں کرچیں کر ڈالے۔

یہ نذرانہ فقط اس لیے ہے کہ:

جن افراد کے پاس یہ نذرانہ پہنچے وہ اسے عشق الٰہی کی گہرائی میں ڈوب کر اس کو کئی مرتبہ پڑھیں، اس پر اپنی اپنی عقل اور تفکر و تدبر سے صیقل کر کے اسے مزید بہتر مفید اور عالم بشریت کے لیے کارآمد اور ہدایت کا خزانہ بنا کر نئی نسلوں کو منتقل کریں۔

ہمارا، نہ تو یہ خیال ہے، اور نہ ہی کوئی ایسا دعویٰ ہے کہ:

ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہی درست ہے۔

نہ ہی یہ کہ

اس موضوع پر آج تک اور آج کے بعد جو مفکرین، محققین اور تشنگان علم نئے پہلو نکالیں کے خدانخواستہ وہ غلط ہوں گے۔

مطالعہ و تحقیق اور تفکر و تدبر، بشر کو سب سے پہلے یہ تربیت دیتا ہے:

مطالعہ، تحقیق، تفکر و تدبر اور اس کے درست استعمال کے بعد جو نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ موضوعات کے تنوع اور ان کو سمجھنے کے انداز، تفکر و تدبر کی گہرائیوں اور گیرائیوں میں پرواز اور تیراکی کے انداز، ہمتوں اور صبر و شکر و شکیبائی کے اختلافات کے سبب نئی نئی رنگینیاں پیدا

کرکے علمی اور فکری دنیا میں رہنے والوں کے لیے رنگ برنگی اور نئے سے نئے چراغ روشن کرتے ہیں۔

اگر،

علمی اور فکری دنیا کے راہنما ان چراغوں کے انداز اور ان کی روشنیوں کے رنگ و گرمی و سردی کے اختلاف ایک ماہر بشر کی طرح اپنے گھروں، دماغوں اور دلوں کی جنت میں خوبصورتی سے سجانے میں مہارت پیدا کرلیں تو ہمارا اندر اور باہر ابھی سے ہی جنت الرضوان کو شرمانا شروع کردے۔

لیکن اگر ان ہی اختلاف نظر کو جنگ و جدال اور کفر و الحاد کی گھٹاؤں میں ڈھانپ دیا جائے تو ان گھپ اندھیروں میں قعر جہنم کی تپش کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں۔

اس لیے ہم:

الا ان اولیاء اللہ

لا خوف علیہم

و

لا ھم یحزنون

یاد رکھیے!

بے شک!

اللہ کے چاہنے، ماننے اور عبادت کرنے والوں پر کسی بھی حال میں :

نہ کوئی خوف مسلط ہوتا ہے

نہ ہی کوئی غم و اندوہ ان کو اپنے گھیرے میں لے پاتا ہے ! !

اس آیت کی الٰہی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، جہالت، غرور و تکبر، بے راہ روی اور کفر و الحاد کے فتاویٰ اور الزامات کو اپنے لیے محبت و عشق الٰہی کا مرتبہ دے کر خود کو ہمیشہ کے لیے اس خوف سے آزاد کر چکے ہیں۔

ہم خود بھی یہی روش رکھتے ہیں اور اس آواز کو سننے اور پڑھنے والوں سے بھی یہی آرزو اور تمنا رکھتے ہیں کہ :

اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر اپنا شعار بنالیں کہ :

- اول تو یہ کہ تفکر و تدبر و تعقل اور علم و معرفت کی دنیا میں کوئی بات آخری نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ جب کوئی مفکر اور محقق کسی موضوع پر اتنی محنت اور ریاضت کر لیتا ہے کہ اسے یہ اعتماد ہو جائے کہ اس نے اپنی عقلی و فکری توانائیوں کو ساٹھ فیصد بروئے کار لا کر اطمینان حاصل کر لیا ہے تو :
  اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ یہ بات اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کر دے۔
- اگرچہ وہ جانتا ہے کہ ممکن ہے اس تحقیقی، فکری اور علمی نتیجہ کو دوسروں کے سپرد کرنے کے فوراً ہی بعد اس کے معلومات میں اضافہ یا تفکر و تدبر کی رفتار میں سرعت پیدا ہو گی، تو وہ اس سے بہتر اور بلند آفاق و انفس میں پرواز کرتے ہوئے نئے اور بہتر نتیجوں تک پہنچ جائے گا، اور یہ نتیجے اس کے لیے قصہ پارینہ بن جائیں گے۔

- لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا فریضہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جن نتیجوں پر مطمئن ہو چکا ہے، وہ دوسروں تک فوراً منتقل کر دے، تاکہ وہ بھی اس کے ذریعہ نئے آفاق اور نئی بلندیوں کی تخلیق کے فریضہ کو مزید آسانی سے ادا کر سکیں۔
- دوسرے یہ کہ اختلاف رائے ہی علمی اور فکری تکامل کی ریڑھ کی ہڈی اور دھڑکتا ہوا دل ہے۔ اگر اس اختلاف رائے کو تصادم، جھگڑے اور فساد کا باعث بتا دیا جائے تب یہی سب سے بڑی نعمت ہوتے ہوئے سب سے بڑی آفت بن جاتا ہے۔
- اس لیے ہم جو افکار و معلومات انتہائی محبت سے آپ کی خدمت میں نذر کر رہے ہیں۔ اب وہ آپ کی ملکیت ہیں۔ آپ ان پر مزید محنت کرکے انہیں مزید خوبصورت، مفید، کارآمد اور بلند و برتر بنائیں۔ یا انہیں کوڑے دان میں پھینک دیں۔

اب یہ آپ کی ملکیت ہیں۔ اب ان پر آپ کو بھرپور اختیار ہے۔

- البتہ:

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ہم اپنے ان افکار و معلومات پر جو ہم آپ حضرات کی نذر کر دیتے ہیں، کسی قسم کے اعتراض کا جواب دینے میں ہر گز نہیں الجھتے۔

- لیکن:

اگر کسی کے ذہن میں کوئی الجھاؤ ہو اور وہ اس الجھاؤ کو اخلاق، آداب و محبت کے ساتھ گلدستہ بنا کر پیش کرے تو ہم اس گلدستہ کو جاندار اور پھل دار درخت بنانے کی کوشش ضرور کریں گے۔

- لیکن:

اگر کوئی، اعتراض کرتا ہے، اور دلیل پر دلیل طلب کرنے اور مانگنے کی کوشش کرتا ہے، تو ہم ان باتوں کے جواب دینے میں اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتے۔

اللہ عزوجل تمام عالم خصوصاً عالم بشریت اور اس کے تمام افراد کو اپنی رحمت واسعہ اور حضرت رحمۃ للعالمین اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے سایہ عاطفت و محبت میں لحہ بہ لحہ بلند سے بلند مقامات سے نوازتا رہے۔

آمین یا رب العالمین و یا ارحم الراحمین، برحمتک الواسعۃ و بحرمۃ حضرت رحمۃ للعالمین محمد و آلہ الطیبین الطاھرین علیہم الصلٰوۃ و السلام.

اصل گفتگو سے پہلے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل گفتگو سے پہلے!

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى جَمِيعِ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ وَالْمُرْسَلِينَ لَا سِيَّمَا آدَمَ وَحَوَّاءَ وَآلِهِمَا الطَّيِّبِينَ وَإِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

اس سے پہلے کہ ہم اصل گفتگو میں وارد ہوں۔ ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

یہ بات نہ تعلّی کے طور پر عرض کر رہے ہیں، نہ تکبر کے طور پر۔

اس بات میں نہ انانیّت ہے، نہ ہی کسی پر تفوّق کا اظہار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کے اظہار کے باوجود ہم خود کو دنیا کے سبب ہی علماء اور مفکرین کے مقابلے میں طفلِ مکتب ہی سمجھتے ہیں۔

لیکن اس کا بیان اس لیے ضروری ہے کہ جب تک ہمارے قارئین و بزرگ خود اس بات کی گہرائی کا ادراک نہیں کریں گے، بات بنے گی نہیں۔

بنیادی طور پر مسلمان اور اس میں بھی خاص طور پر سے ایران و پاکستان و بنگلادیش اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والے علماء، محققین، مصنفین و اساتذہ تحقیقی میدان میں جو بھی

کاوشیں کر رہے ہیں وہ، برسوں سے بہت قدیم اصول وضوابط کے مطابق ہی، انجام پا رہی ہیں۔

اس لیے :

نہ تو ترقی یافتہ دنیاکے قارئین ہمارے محققین کی باتوں کو سمجھ پاتے ہیں، نہ ہی ہم لوگ ان کی باتوں کو سمجھ پاتے ہیں۔

اس لیے:

جس طرح ہمارے لکھنے والوں پر ان کے سوالات کسی علمی وزن کے حامل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کے مطالب پر ہمارے سوالات بھی ان کی نظر میں کسی علمی وزن کے حامل نہیں ہوتے۔

یہ ایک مسئلہ ہے جو بہت اہم ہے۔ یہ مسئلہ، ہماری موجودہ نسل کے علماء اور محققین و مصنفین کی توجہ کا طلبگار ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علمی دنیا میں دو قسم کے علماء و مصنفین پائے جاتے ہیں:

ا۔ ایک وہ جو محقق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مسائل و معاملات کو مادی ،تاریخی، ادبی، شعری اور لغوی مصادر کی روشنی میں سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ علماء ہوتے ہیں جو مفکر ہوتے ہیں۔

یہ لوگ انہی مصادر کا مطالعہ تو کرتے ہیں جن مصادر سے محققین استناد کرکے اپنی باتوں کی دلیلیں لاتے ہیں۔

لیکن، ان سے استدلال اور استنباط نہیں کرتے۔

اگر ان کی عبارتوں میں کبھی ان مصادر سے استدلال نظر آتا ہے تو وہ اس بنیاد پر نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک یہ مصادر اہمیت رکھتے ہیں۔

بلکہ،

یہ استدلال ان افراد کے ذہن کو نئے مطالب سے قریب کرنے کے لیے ہوتا ہے جو ان مصادر کو اپنے علم و دانش کا سرچشمہ مانتے ہیں۔

ہمارے مسلمان یا یہ کہیئے کہ بر صغیر اور اس سے متأثر محققین جب بھی کوئی بات کہتے ہیں تو اس کو بڑی قاطعیت سے کہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جن مصادر کا جس طرح مطالعہ کرکے جو استدلال فراہم کر دیا ہے وہ ایسا قطعی اور آخری ہے جس سے اختلاف کرنے والا پڑھا لکھا ہی نہیں ہے۔

جبکہ؛

ترقی یافتہ نسل کے محققین و مؤلفین اپنے تمام حوالوں اور استدلال کے باوجود فیصلہ پڑھنے اور سننے والوں پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کو خود سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

مفکرین، اول تو یہ کہ ہمارے اس مسلمان اور بر صغیر اور اس سے وابستہ تہذیبوں میں:

اول تو ہیں ہی نہیں

اور

اگر کچھ مفکرین پیدا بھی ہوئے ہیں تو ان کو ان کی زندگی میں کافر و گمراہ کی سند دے کر دربدر کیا جاتا رہا ہے اور آج تک کیا جا رہا ہے۔

اس وجہ سے ان میں سے جو فکری کاوشوں کو کتابی صورت میں پیش کر کے بھی چلے گئے ہیں، تو ہماری نئی نسل کے محققین نے ان کی کتابوں کے اصل مفاہیم کو مسخ کر کے اپنے ہی دستور العمل کی بھٹی میں پکا کر بالکل الٹا ہی کر کے پیش کیا ہے۔

ہمارا تعلق مفکرین کے گروہ سے ہے۔

اور

ہم مفکرین کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں ناپید ہیں۔

یا گوشہ و کنار میں چھپے ہوئے ہیں، یا انہوں نے خود کو محققین کے حملوں سے بچانے کے لیے محققین ہی کا چولا پہن لیا ہے۔

یہ لوگ کبھی کبھی عقلی گفتگو کر تو دیتے ہیں مگر خود ہی اس کو پختہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔

یہ دونوں گروہ اصولی طور پر اجتہاد کے میدان کے شہسوار بھی ہو سکتے ہیں۔

لیکن،

کئی صدیوں سے ہمارے علاقوں میں اجتہاد کا نام تو لیا جاتا ہے مگر عوامی دباؤ یا بنیادی تربیت کے سبب مشہور فتاویٰ اور نظریات پیش کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہو پاتی ۔

ہم نے اپنے اکثر اساتذہ کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی یہ بات دیکھی ہے اور خود ان کی زبانوں سے بھی متعدد مرتبہ یہ بات سنی ہے کہ:

دلیل تو کوئی نہیں ملتی۔

مگر

ہم شہرت کے خلاف

کوئی بات کہنے کے قائل

نہیں ہیں۔

اس گروہ کا خیال ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ماضی کی علماء ہم سے زیادہ پڑھے لکھے تھے۔ ہم ان کے مقابلے میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ بات ہم اس عہد کے بہت روشن فکر اور واقعی پڑھے لکھے مجتہدین سے نقل کر رہے ہیں۔

ہم نے اپنے سفر کو درجہ بدرجہ طے کیا ہے۔ ہم نے کالج، یونیورسٹی پھر برسوں حوزہ علمیہ قم و نجف کے دسیوں سے زیادہ ماہر فقہاء و مراجع و محققین کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔ یہ سب ہمارے لیے بہت قابل احترام ہیں۔ ہمارے علمی اور فکری سفر میں ان سب کا بہت بڑا حصہ ہے۔

ان کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ کم از کم ہمارے ساتھ ان سب ہی نے یہ بزرگواری فرمائی ہے کہ ہماری بات کو غور سے سنا ہے، استدلال کو پرکھا ہے۔ اس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ

> استدلال تو درست ہے، نتیجہ بھی درست ہے، لیکن ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔

ان اکابر کی اس تشویق نے ہمارے لیے واقعا کائنات کی وسعتوں میں سفر کرنے اور حقائق کو تلاش کرکے نئی نسل کو تربیت کرنے کی بہت بلند ہمت عطا فرمائی ہے۔

اس لیے ہم یہاں چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

١. ہم جو گفتگو کرتے ہیں اسے کبھی بھی تخصصی نگاہ سے نہ دیکھیں۔
اسے
ہر حال میں ایک فکری پرواز کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔

٢. دوسرے یہ کہ ہم ان مفکرین میں سے ہیں جو اپنے پیش رو اساتذہ کے افکار کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد نئے فکری افق پر جا کر پہلے تفکر و تدبر کے لیے اصول و ضوابط معین کرتے ہیں۔
اس کے بعد، اس چوکھٹے میں اپنی فکری رجحانات کو آگے بڑھاتے ہیں،
اور
جب یہ دیکھتے ہیں کہ اب یہ اصول گھس گئے ہیں
تو فوراً

نئے اصول وضع کرتے ہیں اور نئی بات کہنے کی جرأت پیدا کرتے ہیں،
یہ مثال درست نہیں ہے لیکن عام فہم ہے۔ اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ جیسے دفاعی نظام میں جیسے ہی کوئی نیا نظام سامنے آتا ہے، اس نظام کے ماہرین فوراً ہی اس کے معائب پر دسترسی حاصل کرکے اس کا نیا روپ تلاش کر لیتے ہیں۔
اسی طرح ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل ہمارے ارادے کے بغیر ہر وقت حرکت کرتی رہتی ہے اور ہمارے لیے ہر لمحہ نئے معلومات کا خزانہ مہیا کرتی رہتی ہے۔
اس لیے جو معلومات ہمارے پاس آج ہیں، ہم اس کے مطابق ایک نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ پھر جب ہمارے پاس نئی معلومات کا خزانہ آتا ہے تو ہمارے نتائج بھی بدل جاتے ہیں۔
اس لیے ہم کبھی آخری بات نہیں کہتے۔ ہماری ہر بات اس وقت کے لیے ہوتی ہے جب ہم کہہ رہے ہوتے ہیں۔ بعد میں جیسے ہی اس سلسلہ میں ہمارے سامنے نئے معلومات آتے ہیں ہم انہیں چھان پھٹک کر ایک نئی اور ترقی یافتہ فکر اپنی نئی نسل کو فراہم کر دیتے ہیں ۔
اس میں ہم پوری امانت داری کا ثبوت دیتے ہیں اور کسی بھی دباؤ، ملامت اور کفر و الحاد کے فتووں کی پرواہ نہیں کرتے۔

۳. آخری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم، علم کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ:
علم، دراصل:
اعترافِ جہل کا نام ہے، ادعائے علم کا نام نہیں ہے۔

اس لیے ہم نئی بات ضرور کہتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ کوئی ہماری بات مانے۔
ہم اپنے شاگردوں، دوستوں، قارئین اور نقادوں کو اس بات کی طرف ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اس سفر میں ہم سے آگے بڑھیں اور ہمارے لیے چراغِ راہ بن کر ابھریں۔
ہم علم کے بارے میں کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی ہم سے کم جانتا ہے۔
ہم کو تو کسی کی علم کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہے۔ اس لیے جسے عام طور سے جاہل سمجھا جاتا ہے، ہم اسے بھی اپنے سے زیادہ پڑھا لکھا ہی مانتے ہیں۔
یہ ہماری بنیادی ساخت ہے۔
الحمدللہ ہم نے اپنی زندگی کے کسی بھی دور میں اس سے انحراف نہیں کیا ہے اور انشاءاللہ کبھی بھی اس سے انحراف نہیں کریں گے۔
لیکن،
جب ہم کسی موضوع پر کام کرنے کے بعد کم از کم ۶۰ فیصد مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہم اس نتیجہ کو بھرپور اعتماد کے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ پھر ہم اس فریضہ کو بغیر کسی خوف اور لالچ کے بھرپور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھا دیتے ہیں۔
ہمارے اکثر دوست، شاگرد اور پڑھنے والے ہمیں اسی سبب سے مغرور سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہر دور میں جو بشر بھی جھک کر ملتا ہے اسی کو مغرور سمجھا جاتا ہے۔
اب بات ہے اس فکری رسالہ کے بارے میں۔

یہ مختصر سا مقالہ یا کتابچہ جو مفکرین عالم کی خدمت میں نذر کیا جا رہا ہے۔ برسوں کی عرق ریزی، تفکر اور مطالعہ کا نچوڑ ہے اور یہ مقالہ بنیادی طور پر ہماری شریک حیات ہماری فکر و روح و قلب و جگر، الفت و محبت کی بالیدگی اور عشق الٰہی و تزکیہ نفس کی پیکر ثقۃ الاسلام سیدہ تنویر فاطمہ جعفری جو طلعت سیدہ اعلی اللہ مقامہا الشریف کے نام سے شہرت رکھتی ہیں، کی فکری روانی و بلند پروازی کا نتیجہ ہے۔

کیونکہ :

جب سے وہ ہماری زندگی کا حصہ بنیں اور

جب تک وہ اس دنیا کی زندگی میں ہمارے ساتھ رہیں، ہمارے تمام امور خصوصاً تحقیقی، تعلیمی، تدریسی اور فکری و عبادی امور میں ہمارے ساتھ رہیں، ہمارے اکثر افکار کو کتابی صورت دینے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ یہ کتاب بھی ایک تہائی سے زیادہ ان ہی تحریر کی ہوئی ہے۔ ان کی پرواز کے بعد ہم نے کئی برس مختلف وقفوں سے اس کام کو مکمل کرنے کی ہمت کی ہے۔

اس سے قطع نظر کہ اس پر ہم دونوں نے مل کر کم از کم ۲۰ برس فکری، مطالعاتی اور تحقیقاتی کام انتہائی محنت و مشقت کے ساتھ کیا ہے، اور فقط اس کی تحریر میں بھی ہم دونوں کے کم از کم پانچ برس تو ساتھ مل جل کر، صرف ہوئے ہیں۔

اس مقالہ کا آغاز ہم دونوں نے مل کر ۱۵/رمضان المبارک ۱۴۳۴ ھ/ ۲/جولائی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات، اپنے پہلے آپریشن سے قم واپسی پر شروع کیا اور یہ کام ایران کے وقت کے مطابق شبِ جمعہ، ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ/ ۶/اگست ۲۰۲۰ء کو ۸ بجے اپنے دو تہائی حصے کی تکمیل تک پہنچا۔

یہ وہ دن تھے جب ہم دونوں کووڈ (COVID-19) میں مبتلا، قرنطینہ میں تھے۔ برابر کے دو کمروں کے درمیان پلاسٹک کے پردہ کے پیچھے سے ایک دوسرے سے تبادل نظر کے ساتھ اسے اپنے آخری مراحل پر پہنچا رہے تھے۔

اسی لمحے ہماری روح رواں کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی اور ۱۰ بجے شب وہ ہسپتال روانہ ہو گئیں۔

۶/ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ = ۲۶/اگست ۲۰۲۰ء کو پورے بیس دن بعد، بدھ کی صبح نماز فجر کے وقت حیات طیبہ کی بلندیوں تک رسائی کی خاطر، ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز فرما گئیں۔

اللہ جلّ جلالہ انہیں اپنی رحمت تامہ کے سایہ میں ہمیشہ سربلند و سرافراز رکھے اور مسلسل ان کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا رہے۔

آمین یا رب العالمین الرحمن الرحیم برحمتک الواسعۃ و بحقِ محمد وآلہ الطیبین الطاھرین علیھم الصلوۃ والسلام

انہیں اللہ جلّ جلالہ نے بہشت معصومہ قم میں جمعرات کے دن آرامگاہ مرحمت فرمائی اور ملاء اعلی میں ان کی پہلی شب، شبِ جمعہ قرار پائی۔

اس مقالہ پر ہم آج ۱۱/رجب المرجب ۱۴۴۷ھ = یکم جنوری ۲۰۲۶ء امام محمد باقر علیہ السلام کی ولادت کی عید کے مبارک دن یہ مقدمہ محققین و مفکرین و مدققینِ عالم کے حضور ہدیۂ ناچیز کے طور پر پیش کرنا ضروری سمجھا۔

امید ہے ہمارے قارئین کرام اپنی فکری اور علمی توانائیوں کو بروئے کار لا کر اس تفکر و تدبر کے عمل کو تزکیہ نفس کے ساتھ نئے آفاق سے روشناس کرا کر عالمِ بشریت کی فکر کو شرافت و کمال و تعقل و تدبر کی نئی بلندیوں پر پرواز کے ذریعہ بشریت کے لئے ایک نئے فکری اور عملی دور کا آغاز فرمائیں گے۔

یہ موضوع بہت حساس ہے۔ اس پر بہت کم سوچ سمجھ کر کام ہوا ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس موضوع پر سوچ سمجھ کر کام کیا بھی ہے تو اس کا استقبال نہیں ہوا۔ اس لیے ہم اصل موضوع میں داخل ہونے سے پہلے بشریت، انسانیت اور آدمیت کے موضوع کو سمجھنا اور سمجھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ ابتدائی مقدمہ ممکن ہے اصل موضوع سے زیادہ وقت اور فکر کا احاطہ کر لے۔ اس طوالت پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

کائنات کی تخلیق!

بشریت کی تخلیق!

کائنات کی تخلیق

قران حکیم میں اللہ جل جلالہ نے جہاں، آغازِ کائنات اور تمام مخلوقات عالم کے سلسلۂ وجود کے آغاز کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے، وہاں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

(یس:۳۶: ۸۲)

ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ جیسے ہی ہم ارادہ کرتے ہیں اشیاء ہمارے حکم کو سمجھ کر اپنی حرکت وجودی کا آغاز کر دیتی ہیں۔

یعنی جیسے ہی اللہ جل جلالہ نے آغاز خلقت کا ارادہ کیا، عدم نے ارادۂ الٰہی کو درک کرکے اپنی حرکت وجودی کا آغاز کر لیا اور اشیاء اپنے تکاملِ حیات کے سفر میں خود بخود مشغول ہو گئیں۔

عام طور سے شاید یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ یہ چیزیں وجود میں آ گئیں، لیکن "یکون" استمرار کا صیغہ ہے۔ جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء نے خود بخود اپنے وجود اور تکاملِ حیات کے سلسلہ کا آغاز کر دیا جو اب تک جاری ہے۔

بشریت کی تخلیق[1]

لیکن جہاں انسان کی خلقت کے آغاز کا تعارف فرمایا ہے وہاں بالکل دوسرا انداز اختیار فرمایا ہے۔ وہاں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

إِنِّي خالِقٌ بَشَراً مِنْ طِينٍ

(ص:۳۸: ۷۱)

اب میں؛

ایک ایسے وجود کو تخلیق کرنے جا رہا ہوں جسے میں "بشر" کے نام سے سرافراز کر رہا ہوں۔
("بشر" سے مراد، وہ وجود ہے جو تمام مخلوقاتِ عالم کے لئے بشارت ہی بشارت یعنی خوشخبریوں ہی خوشخبریوں کا حامل ہوگا۔)

اور

اسے میں "طین" یعنی جوہرِ حیات سے تخلیق کروں گا۔

---

[1] یہ موضوع بھی ایسا ہے، جس پر ہم دونوں نے مل جل کر کئی برس کام کیا تھا۔ آخر میں دونوں ہی بالاتفاق اس نتیجہ پر پہنچے تھے۔ اب ہماری روح زندگی ہم سے پہلے ملاء اعلی میں پہنچ چکی ہیں۔ اس لیے جن افکار و معاملات پر ہم دونوں نے مل کر کام کیا ہے۔ وہاں ان کا ذکر اور ان افکار کی ان کی طرف نسبت فینا ہمارا فریضہ ہے۔ سید حسین مرتضٰی

عام طور سے قرآن حکیم کے ترجمہ نگاروں اور مفسروں نے یہاں "طین" سے مراد اس کرۂ زمین کی "مٹی" مراد لی ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو جس وقت "بشر" کی تخلیق کے مرحلہ کا آغاز ہوا اس وقت تک تو کائنات "دخان" یعنی گیس (Gas) کی حالت میں تھی۔ ابھی کہکشائیں بھی اپنے مختلف وجودی مراحل کو طے کر رہی تھیں۔ اس وقت تک نظامِ شمسی جیسے نظام وجود میں آئے ہی نہیں تھے۔ اس لئے یہاں "طین" سے مراد مٹی نہیں لی جا سکتی۔

اس کے علاوہ ایسا بھی نہیں ہے کہ اللہ جلّ جلالہ نے فرمایا ہو کہ ہم آدم کو خلق کرنے جا رہے ہیں، بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ "ہم بشریت کو خلق کرنے جا رہے ہیں": "خالق بشرا"۔

اسی بشر کو جہاں آدم بھی کہا ہے، وہاں آدم سے یہ "بشر" یا "بشریت" کسی وجودِ خاکی کا نام نہیں ہے۔ یہ بشر، بشریت یا انسان و انسانیت یا آدم و آدمیت ایک ایسے جامع وجود (اکائی - Entity) کا نام ہے جو خلقتِ اولیہ سے اپنے مختلف وجودی مراحل کو طے کرتے ہوئے جب اس زمینی دنیا میں آتا ہے تو اسے اس دنیا میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے جو لباس دیا جاتا ہے وہ یہ جسم ہے۔ اسے ہم ابھی تک آب و گل و آتش کا مجموعہ سمجھتے یا قرار دیتے ہیں۔

جس طرح پہلے مفکرین اور سائنسدان سات آسمان نظام شمسی کے سات سیاروں کے مدار کو سمجھتے تھے۔

لیکن جب علوم انسانی نے ترقی کی تو معلوم ہوا کہ:

- اوّل تو قرآن حکیم میں سات کا عدد، کثرت کے معانی میں بروئے کار لایا گیا ہے۔

- دوسرے یہ کہ آسمان ان بلندیوں کا نام ہے جن کی تعداد بے شمار اور ان گنت ہے۔

گویا:

آسمان کسی خاص محدود، وجود کا نام نہیں ہے۔

یہ ہر انسان کی بلندئ نگاہ اور بلندئ فکر کی پرواز کی حدوں کا نام ہے۔

یعنی:

یہ کوئی وجودی چیز نہیں، ایک تصوراتی، تخیلاتی اور نفسی، نفسانی یا نفسیاتی وجود کا نام ہے۔ جسے وجودِ ظاہری کے بجائے وجودِ ذہنی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح بہت ممکن ہے کہ جب علوم انسانی ترقی کریں تو یہ بات منکشف ہو جائے کہ اس دنیا میں بشر، آدم یا انسان کا جو جسم مٹی، پانی اور آگ کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے اس کے اجزاء اس سے بہت مختلف اور بلند ہیں۔

سائنسدانوں کی جدید تحقیق میں اس دور میں کہیں کہیں اس قسم کے اشارات آنا شروع ہو بھی گئے ہیں، کہ زمین پر بشر یا انسان جس جسم کا حامل ہے اس میں کچھ ایسے ذرات (Atoms, DNAs) بھی موجود ہیں جو اس زمین سے تعلق نہیں رکھتے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بشر یا بشریت کا وجودِ حقیقی "عقل" ہے جسے روایات میں "نور" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

توجب اللہ جلّ جلالہ نے بشریت کو خلق فرمایا تو اسے جوہر حیات یعنی "عقل" سے خلق فرمایا۔

چونکہ ارادہ الٰہی ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اس "بشر" کو اپنے صفات کا حامل قرار دے کر کائنات اس کے لیے مسخر فرما کر، اسے اپنی خلافت کے خلعت سے آراستہ فرمائے۔ اس لیے اسے اپنی خاص توجہ سے خلق فرمایا۔

ارشاد ہوتا ہے:

إِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلائِکَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَراً مِنْ طِينٍ. فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

(ص: ۳۸: ۷۱ - ۷۲)

جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا:

میں "بشر" نامی ایک اکائی، وحدت (Entity) کو "طین" سے خلق کرنے جارہا ہوں۔

توجب میں اس کو اچھی طرح سنوار لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں "یعنی اس کو اپنے صفات اور طاقتوں کا حامل اور مظہر بنا دوں" تب تم مستقل اسی کی اطاعت کرتے رہنا۔

یہاں عام طور سے "طین" کے معنی مٹی کے لیے گئے ہیں لیکن لسان العرب کی اس عبارت پر توجہ فرمائیں:

ألطينة هو الخِلْقة و الجِبِلَّة.يقال: فلان من الطِّينة الأولى.و طانَهُ اللهُ على الخير۔

"طین" کسی بھی چیز کی حقیقی فطرت، خلقت اور جبلت (یعنی اس کے جوہر) کو کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں فلان اپنی بنیادی فطرت پر ہے۔ اللہ نے اس کو زندگی کے جوہر یعنی "عقل" سے خلق فرمایا ہے۔ خیر اور بھلائی پر خلق کیا ہے۔

قاموس الوحید میں مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی نے لکھا ہے:

"طین، یعنی فطرت، خمیر، جوہر"

اس لیے قران حکیم میں خلقتِ بشر، خلقتِ انسان اور خلقتِ آدم کے سلسلہ میں جہاں "طین" کا کلمہ بروئے کار لایا گیا ہے ہم اس کے معنی، مٹی گارا یا کیچڑ نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم خلقتِ بشر کے بارے میں کم از کم اتنا جانتے ہیں کہ یہ سیاروں، مٹی، پانی اور کیچڑ کے بننے سے بہت پہلے اس وقت انجام پائی ہے جب ابھی بلندیاں اور پستیاں یعنی آسمان و زمین "دخان" دھوئیں یا گیس (Gas) کی صورت میں تھیں۔

ہماری نظر میں یہاں "طین" سے مراد "جوہرِ حیات" "فطرتِ حیات" "زندگی کی بنیاد" یعنی "عقل" ہے۔

چونکہ یہ فکر کا ایک نیا پہلو ہے، اس لیے اس کو سمجھنے میں وقت ضرور لگے گا، لیکن جوں جوں "بشریت" کی عقل اپنے مراحلِ تکامل کو طے کرتی جائے گی توں توں بات یقینا اس سے بھی بہت آگے بڑھ جائے گی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ

(الحجر:۱۵: ۲۸)

جب تمہارے رب نے ملائکہ کو بتایا کہ:

میں "بشر" نامی ایک اکائی (Entity)، گروہ، مجموعہ (Group, Mob) کو خلق کرنے جا رہا ہوں۔ ایک ایسے پھٹے[۲] ہوئے (Enriched) مادہ سے جو بہت سے مراحل سے گذر کر انتہائی مضبوط، خالص اور پختہ ہو جائے گا، اس میں تیزی آ جائے گی۔ وہ بالکل ایک نئی صورت اختیار کر لے گا۔

"صلصال"، "حماء" اور "مسنون" کے بارے میں عربی لغت میں جو گفتگو موجود ہے، وہ اس کے بعض بہتر مفاہیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسے ہم اپنے الفاظ میں نقل کر رہے ہیں، قارئین کرام لسان العرب، قاموس الوحید اور دوسری عربی لغتوں میں اس کا گہرا مطالعہ کر سکتے ہیں:

ا۔ "صلصال" "ص ل ص ل" کے ایک معنی گونج دار آواز نکالنے کے ہیں۔ یہ بادلوں کی کڑک۔ ہمت و طاقت کے اظہار کے لیے گرجنے، جیسے فوجی سلیوٹ کے وقت فوجی گرج دار

---

[۲] پھَیٹنا: کسی چیز کو اتنا اچھالنا اور اتنی زور سے اتنا ہلانا (مَتھنا) کہ اس کے تمام اجزاءِ ترکیبی اتنے خالص ہو جائیں تو اس چیز کی شکل و صورت ماہیت اور افادیت بدل کر اس کی طاقت بڑھ جائے۔

اواز میں بولتے ہیں، یا پانی اوپر سے گرتے ہوئے یا کوئی بھی چیز پک کر اپنی حالت کو بہتر بناتے وقت جوش میں آ کر گرجتی اور شور مچاتی ہے، اسے صلصال کہتے ہیں۔

اسی لیے "المصلصل" شریف النسب اور خالص النسب شخص کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ "حماء" "ح م ء" کے ایک معانی پختگی، کمال اور خلوص مطلق کے ہیں۔ جسے آج کل کی زبان میں Enrichment ، یعنی خوب پکایا، کھولا کر کسی چیز کی طاقت کو انتہائی عروج پر پہنچانے کو کہا جاتا ہے۔

جیسے یورینیم کو کئی مرتبہ پگھلا کر جب ۹۰% خالص کر لیا جاتا ہے اور وہ سفید دھات زرد کیک Yellow Cake کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس سے ایٹم بم جیسی طاقت پیدا ہونے لگتی ہے۔

- حماء البئر: کنویں یا نہر کو صاف کرنا
- حماء التمر: کھجور کا پک کر خوب میٹھا ہو جانا۔
- حماء الشیئ: کسی چیز کا عمدہ اور پختہ ہونا، صاف اور خالص ہونا
- عَسَلٌ حَمِیۡتٌ: خالص شہد

اسی طرح:

۳۔ مسنون، "س ن ن"، کے معانی کے ذیل میں قاموس المحیط میں لکھا ہے:

- چھری کو تیز کرنا
- بھوک بڑھانا

- حاکم کا اپنی رعایا کے لیے اچھا انتظام و انصرام کرنا (ہماری زبان میں خالق کا اپنی مخلوق کو بھرپور توجہ کے ساتھ انتہائی طاقتور اور مکمل طور پر خلق کرنا)
- گرہ کھولنا
- پانی کا بدل جانا
- گفتگو اور کلام کو خوبصورت معنی دار اور مہذب بنانا۔

اس لیے ہم نے اس طرزِ فکر کو اپنایا ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے اگر اسے عربی زبان ہی کی کتاب سمجھا جائے تو عربی زبان میں الفاظ کے جو معانی ذکر ہوئے ہیں ان میں سے بہترین معانی کے ذریعہ قرآن حکیم کے مطالب کو خوبصورت اور قابلِ فہم بنا کر لوگوں تک پہنچایا جائے۔

اس لیے ہم اس آیت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ نے فرمایا ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ:
إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ۔
فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُواْ لَهُ سَٰجِدِينَ
(الحجر: ۱۵: ۲۸- ۲۹)

جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا:

میں ایک عالمِ بشریت کو جوہرِ عقل سے خلق کرنے جا رہا ہوں۔

تو،

جب میں؛

اس عقل کو خوب پھٹینٹ کر بار بار پکا کر کندن بنا دوں۔

اس کے بعد میں:

اسے اچھی طرح سنوار کر اس میں اپنی روح پھونک دوں (یعنی اس کو روح یعنی اپنی جان، اپنی طاقت، اپنی روح، اپنے تمام صفات سے) آراستہ کر دوں۔

تو،

تم سب ہمیشہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہی میں رہنا۔ اس کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہ کرنا۔

یہاں ماضی کا صیغہ بروئے کار نہیں لایا گیا ہے۔ امر کا صیغہ ہے کہ تم سب اس کے سامنے ہر حال میں اور ہمیشہ سجدہ کی حالت میں کھڑے رہنا۔

یہ کون سا سجدہ ہے!؟

جس میں سر جھکانے کے بجائے سلیوٹ کرنے، اطاعت کا دم بھرنے اور ہر لمحہ ہر حکم کی تعمیل کے لئے چوکنا اور تیار رہنے کا حکم ہے!!؟

اس بات پر توجہ فرمائیے، تو یہاں بہت سے مفاہیم سمجھ میں آنا شروع ہو جائیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَاکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلائِکَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ

(الأعراف: ۷: ۱۱)

ہم نے تمہیں خلق کیا (یہاں مفرد کا صیغہ نہیں ہے، جمع کا صیغہ ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فقط ایک شخص کی خلقت نہیں ہوئی بلکہ مجموعی طور پر تمام بشریت کے مجموعہ کو ایک اکائی کے طور پر خلق فرمایا گیا) پھر تمہاری آرائش کی (تمہاری نوک پلک درست کی۔ تمہیں تعقل وتدبر، علم و عمل، اخلاق اور محبت کے زیور سے آراستہ فرمایا)، پھر ملائکہ سے کہا کہ اب ہمیشہ آدم کی اطاعت کا دم بھرتے رہنا!

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ إِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ

(الأعراف: ۷: ۱۷۲)

پھر تمہارے رب نے بشریت کے تمام افراد کو ان کی نسلوں اور ذریت میں آنے والے ایک ایک فرد سے، اور ان سب کے نفوس سے یہ عہد اور گواہی لی کہ:

کیا!

میں تمہارا رب نہیں ہوں!؟

سب کے سب نے (بغیر کسی دباؤ کے) اقرار کرتے ہوئے کہا:

بالکل!

ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ:

آپ ہی ہمارے خالق و مالک و پروردگار ہیں۔

اس کے باوجود ہم نے (اسی وقت) ان کو یہ بھی بتا دیا کہ:

تم ہی (اس عہد کو اتنی جلدی بھلا دوگے کہ) قیامت کے دن کہو گے:

ہمیں تو یہ عہد بالکل بھی یاد نہیں آ رہا ہے!!

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً

(طہ: ۲۰: ۱۱۵)

ہم نے بالتحقیق عالمِ بشریت و آدمیت کے تمام افراد سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا۔ لیکن ان کے اکثر افراد نے اسے اسی وقت بھلا دیا اور ہم نے دیکھا کہ ان کے ارادے پختہ نہیں ہیں، بلکہ کمزور ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں کئی اہم نکتے چھپے ہوئے ہیں:

۱۔ تعجب کی بات ہے کہ جو مخلوقات اللہ جلّ جلالہ کے ارادے کو درک کرکے خود سے وجود میں آنا شروع ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے خالق، اللہ عزوجل سے کوئی عہد نہیں کیا تھا، نہ ہی اللہ عزوجل نے ان سے کوئی عہد لیا۔ انہوں نے خود ہی اپنے آپ سے عہد کیا۔ وہ تو اپنے عہد کے مطابق چل رہے ہیں۔

مگر یہ بشر، جس کو اللہ جلّ جلالہ نے اپنی خاص توجہ سے خلق کیا اور اسے اپنے صفات و روح کا حامل بھی قرار دے دیا۔ وہ عہد کرتے ہی اس عہد کو بھلا بیٹھا۔

۲۔ یہیں سے اس بات کا جواب بھی ملتا ہے کہ:

ابلیس نے سجدے سے کیوں انکار کیا؟

کیونکہ:

وہ اس بات کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ یہ مخلوق جس پر اللہ جلّ جلالہ نے اس قدر محنت اور محبت فرمائی ہے یہ اپنی خلقت کے پہلے ہی مرحلہ میں کیا کر رہی ہے یا کیا کرے گی!!؟؟

۳۔ یہیں سے اس بات کا جواب بھی ملتا ہے کہ فرشتوں نے کیوں پوچھا؟ کہ:

خالق مطلق!

یہ کیا غضب ہے کہ جس مخلوق کو تو نے اتنے پیار و محبت و توجہ سے خلق فرمایا ہے اور اپنے صفات اور اپنی روح کا حامل قرار دے کر اتنی فضیلت دی ہے، یہ ابھی سے تجھ سے عہد کر کے بھول گئی ہے۔ یہ تو ابھی سے کائنات میں فساد پھیلانے اور باہمی خونریزی کے لئے مصمم ہے، اس کو اتنی بڑی ذمہ داری کیوں دے رہا ہے!؟

یہ فرشتوں کا اعتراض نہیں تھا۔ یہ فرشتوں کا سوال تھا کہ وہ مرضی الٰہی کی گہرائی کو سمجھنا چاہتے تھے۔

بہرحال یہ بہت طولانی گفتگو ہے، چونکہ اس وقت ہمارا اصل موضوع یہ نہیں ہے بلکہ یہ بات اصل موضوع کے سمجھنے کے لیے بیان کی ہے۔ اس لئے جتنی بات ضروری ہے اسی حد تک اس گفتگو کو یہاں پر ختم کر رہے ہیں۔

اس گفتگو سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قارئین کو اس بات کی طرف متوجہ کریں کہ آدم و حوا کی تخلیق کے بارے میں یہود و نصاری یا گذشتہ ادیان نے جو یہ کہانیاں گھڑی ہیں کہ حضرت حوا، حضرت آدم کی پسلی سے خلق ہوئیں یہ سراسر جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔

بنیادی طور پر اللہ جلّ جلالہ نے عالمِ بشریت کو ایک اکائی (Entity) کے طور پر خلق فرمایا۔ اس دنیا میں بشریت کے قدم رکھنے کے پہلے مرحلہ سے لے کر قیامِ قیامت تک اس اکائی کے افراد، اس دنیا میں آتے جاتے رہیں گے۔

پھر جب حضرت آدم و حوا علیہا السلام کو باصطلاح "جنت" میں بھیجا، جسے عام طور سے وہی جنت سمجھا جاتا ہے جہاں عالم بشریت کو اس دنیا کی بعد والی زندگی میں جانا ہے۔

حالانکہ بظاہر وہ جنت کوئی اور ہی جنت تھی۔

اس لیے:

ہماری نظر میں عالمِ بشریت، اکائی سے، ذرات (ایٹم Atom) کی شکل میں آیا۔ پھر اس نے اپنی زندگی کے بہت سے مراحل طے کیئے۔ اس کے بعد حضرت آدم و حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔

یہاں بھی ہمارا فہم اور ہمارا نظریہ ہے کہ وہاں بشریت کے بہت سے افراد کو زن و مرد کی صورت میں بھیجا گیا تھا۔

البتہ،

حضرت آدم و حوا علیہما السلام ان تمام افراد کے سردار، رہبر اور راہنما تھے۔ اس لئے انہی دونوں سے خطاب ہوا۔ اس لئے کہ جنت میں کہیں بھی صرف حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب نہیں ہوا ہے۔ جب بھی اللہ جلّ جلالہ نے خطاب فرمایا ہے، حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں کو برابر سے مخاطب قرار دیا ہے۔ ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جسے عربی زمین میں دو افراد کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے۔

وہ صورت اور جسم یقینا اس دنیا کی شکل و صورت سے مختلف اور اس کے اجزاء ترکیبی بھی اس زمینی وجود کے اجزاء ترکیبی سے مختلف تھے۔

پھر جب ان جوڑوں کو اپنی نئی نسلوں کے ساتھ اس زمین پر بھیجا گیا، تب ان کا جسم و شکل و صورت اور اجزاء ترکیبی بھی مختلف ہو گئے۔

کیونکہ جب جنت سے زمین کی طرف بشریت کے آغاز کی بات ہوئی ہے تو فرمایا گیا ہے:

قلنا: اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعاً

(البقرۃ: ۲: ۳۸)

فرمایا:
تم سب کے سب اس مقام سے نئی جگہ پر اتر جاؤ۔
قال: اهْبِطا مِنْهَا جَمِيعاً

(طٰہٰ: ۲۰: ۱۲۳)

فرمایا:
تم دونوں، سب کو ساتھ لے کر اس مقام سے نئی جگہ پر اتر جاؤ۔
"جمیعاً" کا کلمہ بتا رہا ہے کہ یہ لوگ دو، تین، چار، آٹھ، دس، بارہ نہیں تھے بلکہ ایک قابل قدر تعداد تھی جسے جمعیت، گروہ یا قوم کہا جاتا ہے۔

ہمارے اس فہم سے یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے کہ ابتداء ہی سے انسان کی نسل ایک یا دو افراد کی شکل میں نہیں آئی۔ نسلِ بشری یا نسلِ انسانی ابتداء ہی سے زن و مرد کی صورت میں

دو افراد نہیں بلکہ ایک قابلِ قدر تعداد میں وجود میں آئی۔ اس لیے، اس میں نہ بھائی بہنوں کی شادیوں کی ضرورت پڑی اور نہ ہی ہابیل و قابیل حضرت حوا و آدم کے براہ راست فرزند تھے۔

بلکہ ہابیل و قابیل فرزندانِ آدم کی کئی نسلوں بعد دو مختلف خاندانوں کے سردار تھے۔ ان کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی ہوئی۔

اس لیے ہماری نظر میں یہ سانحہ بنی آدم کی کئی نسلوں کے بعد انجام پایا۔

یہی فکر اس بات کا بھی جواب دینے کی طاقت رکھتی ہے کہ اگر یہ روایتیں واقعا رسول و اہلبیت رسول علیہم الصلوۃ والسلام سے وارد ہوئی ہیں کہ آدم کی تعداد بے شمار تھی اور کسی بھی طور میں توالد اور تناسل کے لیے نہ حوروں اور فرشتوں کی ضرورت پڑی تھی اور نہ ہی بہن بھائیوں کی باہمی شادیوں کی ضرورت پڑی تھی۔ تو صورتِ حال یہی رہی ہو گی۔

اس لیے ہم دونوں (ہم اور ہماری اعلی اللہ مقامھا شریک حیات) قران حکیم میں زن و مرد کی برابری ہی کے قائل ہیں اور اس موضوع کو ہم دونوں نے مل کر اس کتابچہ یا مقالہ میں آنے والے ترقی یافتہ فکری و نظری دور کی نسلوں کے لیے تحفہ کے طور پر محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔

أَلسَّعْيُ مِنِّي وَالْإِتْمَامُ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْقَادِرِ الْخَالِقِ الْعَظِيمِ. وَآخِرُ دَعْوَانا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَنْبِيَاءِ اللَّهِ وَالْمُرْسَلِينَ لَا سِيَّمَا آدَمَ وَحَوَّاءَ وَآلِهِمَا الطَّيِّبِينَ، وَإِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ، وَمَلَائِكَةِ اللَّهِ الْمُقَرَّبِينَ، وَعُلَمَاءِ الْأَبْرَارِ وَالْمُتَّقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ وَالصِّدِّيقِينَ، وَالْمُجَاهِدِينَ وَالنَّاصِرِينَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

قرآن حکیم کی نگاہ میں

زن و مرد کی حیثیت!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن حکیم کی نگاہ میں

زن و مرد کی حیثیت!

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصلاة والسلام على انبياء المرسلين لا سيما آدم و حوا و ابراهيم و آل ابراهيم و محمد و اهلبيته الطيبين الطاهرين والملائكة الله المقربين وعلماء الابرار المتقين والشهداء والمجاهدين وكافة المومنين وانصار الله رب العالمين الرحمن الرحيم۔

اما بعد فقد قَالَ اللَّهُ تبارک و تعالى فِي كِتَابِهِ الْمبين:

يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثي وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.

(الحجرات: ۴۹ : ۱۳)

اس آیہ کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالی، تمام انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ:

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم نے تمہیں مرد و زن سے پیدا کیا ہے اور تمہاری باہمی پہچان کے لیے خاندان اور قبیلے بنائے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی ایک دوسرے کی کرامت اور عزت کا سبب نہیں ہے۔ (یعنی نہ

مرد کو عورت پر کوئی فضیلت ہے نہ ہی کسی خاندان یا قبیلے کو کسی دوسرے خاندان اور قبیلہ پر کوئی فضیلت و کرامت حاصل ہے۔)

اللہ سبحانہ و تعالی کے نزدیک کرامت و فضیلت کا معیار فقط اور فقط تقوی یعنی اللہ جلّ جلالہ سے اس حد تک محبت کرنا ہے کہ ہر حال میں اللہ جلّ جلالہ کے احترام کا خیال رکھا جائے۔ بے شک اللہ جلّ جلالہ تمام گہرائیوں اور گیرائیوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

یہ ایسا معیار ہے جسے صرف اللہ عزوجلّ ہی ناپ تول سکتا ہے۔ کوئی دوسرا ناپ تول نہیں سکتا۔ اس لیے کسی انسان کو خود کو دوسرے سے بہتر، باکرامت و باعزت سمجھنے اور سمجھانے کا حق نہیں ہے۔

اس کے باوجود اسی قرآن کو اللہ عزوجلّ کی کتاب ماننے والے انسان ہی فقط عورت کو مرد سے پست نیز مرد کو عورت سے افضل و برتر ہی نہیں سمجھتے ہیں بلکہ:

مسلمانوں ہی کے درمیان ایک معرکۃُالآراء گفتگو یہ ہے کہ عورت انسان ہے بھی یا نہیں؟

کیونکہ عام مسلمان بلکہ اکثر انسانی معاشرے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ:

- ناقص الخلقہ ہے
- ناقص العقل ہے
- ناقص العبادہ

وغیرہ وغیرہ ہے۔

عام طور سے تمام انسانی معاشروں میں عورت کو انتہائی پست نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یورپ، ایشیا، افریقہ، عرب، ایران کی تہذیب و ثقافت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی تہذیب کی تاریخ کے کسی بھی مرحلے میں عورت کو انسان نہیں سمجھا گیا۔ ہر معاشرے اور ہر دور میں عمومی طور پر عورت کو بھیڑ بکری سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ ہم نے اپنے کانوں سے بیسویں اور اکیسویں صدی کے بعض اکابر علماء سے یہ جملے سنے ہیں کہ "عورت بھیڑ بکری کی مانند ہے۔ اسے دنیا میں آزاد زندگی گزارنے حتی کہ اپنی ذات کے لئے کوئی فیصلہ کرنے اور خاندانی اور معاشرتی مسائل میں رائے دینے کا حق نہیں ہے"۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں دل میں یہ آیا کہ دیکھا جائے کہ سقراط، افلاطون، ارسطو، برٹنڈر سل، نٹشے اور ان جیسے دوسرے یونانی اور مغربی مفکرین نے عورت کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟۔

اس سلسلے میں ہم نے برٹش لائبریری میں کئی مہینے بیٹھ کر خاص طور سے عورت کے بارے میں مذکورہ بالا اور ان جیسے کئی قدیم وجدید مفکروں کے نقطہ نظر کا مطالعہ کیا۔ یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ سب نے یہی بات کہی ہے کہ "عورت، مرد کی جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر قیمت پر اپنے حسن و جمال اور اعضاء و جوارح کو مرد کے سامنے اس طرح پیش کرے کہ مرد کی تسکین کا باعث بنے اور ہر وقت اور ہر لمحے مرد کی ہر خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی رہے"۔

اس سلسلہ میں وہ مرد کے ہر ظلم اور تشدد کو خوشی سے قبول کرے۔

تب جا کر یہ سمجھ میں آیا کہ کیوں مرد چاہے گھر میں ہو چاہے گھر سے باہر، وہ اپنے اعضاء و جوارح کو چھپا کر رکھتا ہے؟ سر سے پیر تک موزوں، ٹوپی، ہیٹ، کلائی تک آستینوں کے ذریعہ چھپاتا ہے۔ چاہے دفتر میں ہو یا چاہے نائٹ کلب میں، چاہے ناچ گائے ہر صورت میں اس کا لباس مہذب، آبرومندانہ اور شاندار ہونا چاہیے؟

لیکن عورت گھر میں ہو یا دفتر میں یا نائٹ کلب میں، ناچ گائے یا کسی مہذب گفتگو میں شریک ہو۔ اس کو ایسا ہی لباس پہننا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کے اکثر و بیشتر عام طور سے چھپائے جانے والے اعضاء بھی اگر نظر نہ آئیں تو کم از کم زیادہ سے زیادہ حصے جھلکتے ضرور رہیں تاکہ وہ اپنے حرکات و سکنات سے مردوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی رہے۔

دیندار طبقوں میں بھی عورت کے ساتھ اسی سے ملتا جلتا سلوک دوسری انتہا پر دیکھنے میں آتا ہے۔ دیندار طبقے عورت کو یہ باور کراتے ہیں کہ تم کمزور ہو، تمہارا کام حد سے زیادہ مرد کی جنسی خواہشات کی تکمیل ہے۔ اس لئے تم بہن کی حیثیت سے بھائیوں کے سامنے جھک کر اور دب کر رہو۔ باپ کے سامنے چپ اور خاموش رہو۔ اس کی بے اعتنائی، بے توجہی، بے رخی اور سختیوں کو جھیلو۔ کیونکہ جب تم بیوی بن کر اپنے شوہر کے گھر جاؤ گی تو تمہاری جان و مال، عزت و آبرو اور اعضاء و جوارح تمہارے نہیں رہیں گے۔ یہ سب کچھ تمہارے شوہر کا ہوگا ۔ تمہیں خواستہ نخواستہ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر وہ چاہے تو تم اس کے گھر کی چار دیواری کی جیل سے قدم بھی باہر نہیں نکال سکتیں۔ اسے سمجھا دیا جاتا ہے کہ شادی کے بعد کی زندگی انتہائی سخت عمر قید ہے۔ اس عمر قید میں اسے شوہر کے ساتھ سسر، دیور، نندوں اور

شوہر کے دوستوں کی خدمت کے سلسلے میں ہر ظلم کو سہنا ہوگا۔ اس پر آہ کرنا اللہ جلّ جلالہ کی ناراضگی کو مول لینے کے برابر ہے۔ اس کی خلقت کا مقصد ہی نعوذ باللہ ایک سخت عمر قید کو جھیلنا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ خلقت سے پہلے ہی اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کے سبب، اب اس کی کوئی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

۲۰۱۷ء میں ایک تحقیقی سفر پر کچھ دنوں کے لئے آکسفورڈ گئے۔ اتفاق سے جس ہوٹل میں ٹھہرے تھے اس کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ کھولتے ہی ایک عمارت پر نظر پڑی۔ یہ عمارت یہودیوں کا معبد تھی۔ سڑک پار کرکے اس معبد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر جانے کی اجازت لی اور معبد کے منتظم کے ساتھ معبد کا دورہ کیا۔ پھر وہاں موجود عالم کے پاس بیٹھے۔ باتوں باتوں میں سوچا کہ ان سے پوچھیں تمہارے ہاں علماء کا کیا مقام ہے؟ شادی بیاہ کی رسمیں کیا ہیں؟ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اکیسویں صدی میں اس عالم دین نے یہ بتایا کہ ہمارے ہاں مرد عورت کو ماں باپ سے خریدتا ہے۔ خریدنے کے بعد عورت کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کرتا ہے۔ عورت کو بیوی بننے کے بعد اپنے وجود کے تمام اختیارات مرد کے سپرد کرنا ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے درمیان یوں تو مختلف فرقوں میں بہت زیادہ اختلاف ہیں۔ لیکن عام طور سے تمام مسلمان فرقوں کے علماء اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مرد اس کیلئے ایک ظالم جلاد کی حیثیت سے رہے تو یہ مرد کی عبادت ہے۔ عورت کا اس کے ہر ظلم کو خوشی خوشی سہنا اور کسی بھی ظلم پر آہ نہ کرنا اس کا جہاد ہے۔

یہاں تک کہ یہ روایت گھڑ لی گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے رحمت للعالمین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعوذ باللہ یہ فرمایا کہ:

"اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو میں بیویوں سے کہتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں"۔[۳]

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان مرد بھی چاہے وہ پڑھے لکھے ہوں یا جاہل، اپنی بیویوں اور خاندان کی عورتوں کو مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں، جسمانی اور ذہنی اذیت دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خاندان کی عورتوں یا بیوی کی ذرا برابر عزت کرتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس بات پر یقین ہے کہ بیوی پر شوہر کی اطاعت اور شوہر کو ہر حال میں خوش رکھنا واجب ہے۔ اللہ کی نافرمانی پر بخشش کا امکان ہے۔ لیکن شوہر کی نافرمانی پر نہ شوہر معاف کر سکتا ہے نہ شوہر کے خاندان والے۔ نہ ہی بیوی کے خاندان والے۔

حالانکہ اسلامی مصادر یعنی قرآن حکیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی مستند روایتوں میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی بات تو کیا اس طرح کی کسی بات کی طرف کنایۃً بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

---

[۳] سنن ابن داؤد: حدیث ۲۱۴ و ۱۱۱۰

ظلم و ستم کی یہ داستان اتنی طولانی ہے کہ اس پر ہزاروں انسائیکلوپیڈیاز بھی لکھ دی جائیں تو کم ہوں گی۔ یہ مرض ہمارے معاشرے میں اتنا سنگین ہے کہ درد دل رکھنے والے مضبوط سے مضبوط علماء، اسکالرز اور دفاعی امور کے ماہرین بھی اس ظلم و ستم کو روکنے میں بے بس ہیں۔

لیکن ہم یہ بات اس لیے بیان کر رہے ہیں آئندہ نسلیں اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے پرہیز کریں اور بشریت کی فکر کو عقلی اصول و ضوابط کے مطابق آگے بڑھانے کی کوشش کے ساتھ انسانی معاشرہ کو اس قسم کے ناروا افکار و اعمال سے نجات دلائیں۔

قرآن کریم کی آیات کریمہ کے بار بار متقیانہ و مدبرانہ مطالعہ سے ہمیں کئی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

- سب سے پہلے یہ کہ؛
  اللہ جلّ جلالہ اپنے بندوں سے کس قسم کا سلوک روا رکھتا ہے؟ ان سے آپس میں کس طرح کے اخلاق سے رہنے کی تمنا رکھتا ہے؟
- قرآن و حدیث کے واقعی مفاہیم کیا ہیں؟
- انبیاء و رسل اور اہلبیت علیہم السلام کے اقوال و فرامین کے واقعی مفاہیم کے سمجھنے کے اصول کیا ہیں؟
- انبیاء و رسل اور اہلبیت علیہم السلام کی واقعی اور عملی سیرت کو کیسے سمجھا جائے؟
- ان پر کس طرح عمل کیا جائے؟

یہ، اور اس قسم کی دوسری آیتیں واضح طور پر اسی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ ان مقصدوں، اہداف، اور واقعیتوں تک پہنچنے کے لئے قرآن حکیم نے ہمیں کن اصول و ضوابط کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ ان میں سے چند اہم اصول یہ ہیں:

قرآن حکیم کو سمجھنے اور

سمجھانے کے قرآنی اصول

قرآن حکیم کو سمجھنے اور سمجھانے کے قرآنی اصول

اصل گفتگو میں داخل ہونے سے پہلے، ضروری ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے خود قرآن حکیم ہی سے بنیادی اصول دریافت کریں۔ قرآن حکیم اپنے فہم و تفہیم اور تفسیر و تاویل کے لئے ہمیں بنیادی اصول فراہم فرماتا ہے۔

اس گفتگو میں ہم ان میں سے چار بنیادی اصلوں پر گفتگو کریں گے۔ تاکہ اصل موضوع پر گفتگو آسان اور قابل فہم ہو جائے۔ کیونکہ جب تک ہمارے سامنے قرآن حکیم کے فہم و تفہیم اور تفسیر و تاویل کے بنیادی اصول واضح نہ ہوں، قرآن حکیم کے سایہ میں ہماری کوئی گفتگو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ ان میں جن اصول پر ہم آج کی گفتگو میں اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ چار اصول یہ ہیں:

ا۔ ظلم کی نفی:

ان اصلوں میں پہلی اصل یا پہلا اصول "اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے بندوں پر ہر قسم کے ظلم کی نفی" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی بھی آیت کریمہ سے کوئی ایسا مفہوم منسوب کیا جائے جس میں ظلم کی بو آتی ہو تو ہمیں اس مفہوم کو قطعی طور پر رد کرنا ہوگا۔

اس کے بعد ہمیں یہ کوشش کرنا ہو گی کہ اس آیت یا ان آیات کے مفاہیم پر تجدید نظر اور تفکر و تدبر کرکے اس سے ان مفاہیم و مطالب تک دسترسی پیدا کریں جن میں ظلم کی بو نہ آتی ہو۔

قرآن حکیم میں اللہ عزوجلّ نے ہر قسم کے ظلم کی نفی فرمائی ہے۔ وہ خود کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں فرماتا۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی بھی اپنے اوپر یا کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا۔

(النساء: ۴: ۴۰)

بے شک و شبہ، یقیناً فقط یہ نہیں کہ:

اللہ جلّ جلالہ:

کسی بھی بندہ پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

بلکہ:

اگر کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرتا ہے،

تو:

نہ صرف یہ کہ اللہ جلّ جلالہ اسے:

کئی گنا بڑھا دیتا ہے بلکہ اسے:

اپنی طرف سے بہت زیادہ (عظیم) اجر مرحمت فرماتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کم از کم ۱۷/ مقامات پر یہ یا اس جیسا جملہ بھی آیا ہے:

وهم لا يظلمون[4]

کہ کسی پر بھی کبھی بھی کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔

(آل عمران: ۳: ۱۴۰)

اللہ ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

گویا دین اسلام، انسانی معاشرہ اور سیرتِ انبیاء و رسل اور اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں، کسی بھی روایت، حدیث یا تاریخ میں اگر ذرہ برابر کہیں بھی ظلم کا عنصر نظر آئے تو اس کا انکار کر دینا ضروری ہے۔

یقیناً اس بیان، نقلِ حدیث یا روایت میں انحراف ہوا ہوگا۔

[4] بقرہ: ۲: ۲۸۱، آل عمران: ۳: ۲۵، آل عمران: ۳: ۱۶۱، النساء: ۴: ۴۹، النساء: ۴: ۱۲۴، النساء: ۴: ۱۵۰، الانعام: ۶: ۱۶۰، یونس: ۱۰: ۲۱۴، یونس: ۱۰: ۲۱۵، النحل: ۱۶: ۱۱۱، الاسراء: ۱۷: ۷۱، الکہف: ۱۸: ۴۹، مریم: ۱۹: ۶۰، المومنون: ۲۳: ۶۲، الزمر: ۳۹: ۶۹، الجاثیہ: ۴۵: ۲۲، الاحقاف: ۴۶: ۴-۵۔

اسلام اور سیرت انبیاء و رسل اور اہلبیت علیہم السلام میں کسی بھی قیمت میں ظلم کا عنصر نہیں مل سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی قانون میں ظلم کا عنصر جھلکتا ہوا نظر آئے۔ خواہ وہ ظلم کم ہو یا زیادہ، وہ خواہ کتنے ہی موثق ذرائع سے ہم تک پہنچے۔ اسے خواہ کتنی ہی شہرت یا تواتر ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ کسی بھی قیمت پر اسلام اور اللہ جلّ جلالہ کا بنایا ہوا قانون نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی بنیاد سے لے کر انتہائے کمال تک، حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے کسی دور میں بھی کسی الٰہی قانون میں ظلم کا شائبہ بھی موجود نہیں رہا ہے۔

جو بھی اس میں کسی ظلم کی ملاوٹ کرے وہ جھوٹا اور منحرف ہے۔

اس لئے اللہ جلّ جلالہ کے بھیجے ہوئے تمام شرائع کے قوانین میں جہاں بھی ظلم کا شائبہ نظر آئے اس کو اللہ جلّ جلالہ اور انبیاء و رسل و اہلبیت علیہم السلام سے ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بارے میں یہ تلاش کرنا ہوگا کہ اس میں کب اور کس طرح نام نہاد ذمہ دار افراد نے تحریف کی ہے؟

اس طرح کے مشتبہ قوانین میں سے تحریف کے عناصر واجزاء کو نکال پھینکنا۔ اس کو شفاف کر کے عالم انسانیت کے سامنے پیش کرنا متدین، متقی اور واقعی ذمہ دار افراد کا بنیادی فریضہ ہے۔

اس قسم کی تحریف، عام کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے کہیں زیادہ بری، بزرگ، خطرناک اور قابل گرفت گناہ ہے۔ یہ اللہ جلّ جلالہ پر براہ راست تہمت وافتراء کے ذیل میں آتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ جلّ جلالہ نے متعدد بار اپنے بارے میں ہر طرح کے ظلم بلکہ شمہ برابر یا ذرہ برابر ظلم کی بھی نفی فرمائی ہے۔ اس ذات والا صفات نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے بندوں پر فقط یہ نہیں کہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم پسند ہی نہیں کرتا۔

اس طرح، اس نے بار بار اپنے بندوں کو ایک دوسرے پر ظلم سے روکا ہے۔ نصیحت کی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ اگر کوئی ان پر ظلم بھی کرے اور وہ اس پر قابو پا لیں اور گرفت حاصل کر لیں تو پسندیدہ امر یہی ہے کہ بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دیں۔

اس نے واضح طور پر کئی مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اللہ جلّ جلالہ ظلم کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

۲۔ تمام جہانوں کے لئے رحمت:

ان اصلوں کی دوسری اصل یا دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ جلّ جلالہ نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "رحمۃ للعالمین" کے طور پر بھیجا اور پہچنوایا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی کسی بھی آیت سے رحمت کے خلاف کوئی بھی مفہوم منسوب کیا جائے تو ہمیں اس مفہوم کو ردّ کرکے اس آیت کریمہ کو رحمت کے سایہ میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرنا پڑے گی۔

قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ

(سورہ انبیاء: ۲۱:۱۰۷)

اے رسول! ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لئے سوائے رحمت کے اور کچھ بھی بنا کر نہیں بھیجا۔

رحمت للعالمین کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

تمام جہانوں سے کیا مراد ہے؟

تمام جہانوں سے مراد:

۱۔ جہانِ ایمان بھی ہے

۲۔ جہانِ کفر بھی ہے

۳۔ جہانِ نفاق بھی ہے

۴۔ جہانِ ظلم بھی ہے

۵۔ جہانِ علم بھی ہے

۶۔ جہانِ جہالت بھی ہے۔

مختصراً یہ کہ حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوقِ الہی کے ہر گروہ کے لیے رحمت ہیں۔اس لیے "عالمین" جمع کا صیغہ آیا ہے۔

الّا رحمۃً:

"إِلَّا رَحْمَةً" صرف اور صرف رحمت۔ رحمت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ سر تا پا رحمت، رحمت ہی رحمت ہیں یعنی رسول اپنی زندگی میں عدل و انصاف تک نہیں کر سکتے۔ ظالم اور مظلوم، گنہ گار اور عبادت گزار، مسلمان اور کافر سب کے ساتھ رحمت، پیار اور محبت کا سلوک کرنے کے پابند ہیں۔

"لِلْعَالَمِينَ" یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا یہ سلسلہ فقط انسانوں تک محدود نہیں۔ فقط زمین پر رہنے والوں تک محدود نہیں۔

تمام جہانوں پر محیط ہے۔

کائنات میں اللہ کی ہر مخلوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے سایہ میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ ہے کہ وہ:

1. پیدا ہونے سے پہلے
2. پیدا ہونے کے بعد

۳. مرتے وقت

۴. مرنے کے بعد

مختلف مراحل میں

۵. عالم برزخ

۶. روز قیامت

اور اس کے بعد کے تمام مراحل میں

۷. عوالم ارواح،

۸. عوالم اجسام،

۹. عوالم ملکوت،

غرض تمام تصوراتی مراحل میں رحمت ہی رحمت، پیار ہی پیار، محبت ہی محبت کا سلوک روا رکھیں۔

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

الَّذينَ يَتَّبِعونَ الرَّسولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذي يَجِدونَهُ مَكتوبًا عِندَهُم فِي التَّوراةِ وَالإِنجيلِ يَأمُرُهُم بِالمَعروفِ وَيَنهاهُم عَنِ المُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّباتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الخَبائِثَ وَيَضَعُ عَنهُم إِصرَهُم وَالأَغلالَ الَّتي كانَت عَلَيهِم فَالَّذينَ آمَنوا بِهِ وَعَزَّروهُ وَنَصَروهُ وَاتَّبَعُوا النّورَ الَّذي أُنزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحونَ

(الاعراف: ۷: ۱۵۷)

جو لوگ ایک امّی یعنی نابغہ روزگار، مفکر اور ماوراء عقل و فکر انسانی پرواز کرنے والے اور ایسے نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں وہ توریت اور انجیل جیسی کتابوں میں اپنے پاس لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے، منکرات سے رکنے کی ترغیب دیتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال اور گوارا اقرار دیتا ہے۔ بری و خبیث چیزوں سے دور رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان پر سے وہ بوجھ اتار پھینکتا ہے اور ان زنجیروں اور بیڑیوں سے ان کو نجات دے دیتا ہے جو ان کے اوپر کَس دی گئی تھیں۔ جو لوگ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہ اس کی پشت پناہی اور مدد کرتے ہیں۔ اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ وہ سب کے سب کامیاب اور فلاح یافتہ ہیں۔

رحمت کا یہ پیغام، اللہ کے بندوں تک صرف زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر پہچانا سب کا مشترک فریضہ ہے۔

ہم سب کی سیرت اور عملی زندگی ایسی ہونا چاہیے کہ معاشرے کے لوگ خواہ وہ مسلمان ہوں، ہمارے خیال میں کسی اور دین کے پیروکار ہوں یا کافر و مشرک و ملحد یا ہماری نظر میں ہمارے اور ہمارے دین کے دشمن ہیں کیوں نہ ہوں۔ ہم کو اپنے لئے اللہ تعالی کی رحمت و کرامت کا سایہ سمجھ کر ہماری پناہ میں رہنے کی کوشش کریں۔

اس لئے ارشاد رب العزت ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

(آل عمران : ۳: ۱۱۰)

تم انسانوں کے لئے سب سے بہترین امت بنائے گئے ہو۔ تمہاری صفت یہ ہے کہ تم:

پیار محبت سے لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہو۔

پیار و محبت ہی سے لوگوں کو برائی سے بچاتے ہو۔

اللہ تعالی پر دل کی گہرائی سے ایمان رکھتے ہو۔

اگر سب کے سب اہل کتاب بھی دل کی گہرائی سے اللہ جلّ جلالہ پر ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہت اچھا ہوتا (یہ بھی خیر امت میں شامل ہو جاتے)۔

لیکن ان میں بہت سے مومن ہیں۔

مگر (ان کے علماء اور دین کے ٹھیکیداری کے دعویداروں میں سے) اکثر فاسق و فاجر ہیں۔ (جو ان کو ایمان لانے سے روکتے ہیں)۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر یہ بات بتا دی گئی ہے کہ "بہترین امت" کے افراد کی صفتیں یہ ہیں کہ:

۱. ان کی نگاہ میں، سب کے سب انسان برابر ہیں۔
۲. وہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ اس لئے وہ ان کو پیار محبت سے نیکی کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ برائی سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
۳. سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالی پر دل کی گہرائی سے پختہ اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔

اپنے لئے بھی وہ یہی فرماتا ہے کہ:

كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

(انعام: ۶: ۱۲)

اللہ جلّ جلالہ نے خود اپنے لئے بھی طے کر لیا ہے کہ وہ ہر حال میں رحمت ہی سے کام لے گا۔

گویا اللہ جلّ جلالہ کے بھیجے ہوئے قوانین میں اللہ جلّ جلالہ کی رحمت کی جھلک کا نظر آنا ضروری ہے۔ ان سب کی اصل اور بنیاد رحمت ہے۔ یہ رحمت معمولی رحمت نہیں ہے۔ یہ اللہ عزّ و جلّ کی رحمت ہے۔ اللہ جلّ جلالہ کی رحمت کا کسی بھی رحمت سے کوئی بھی مقابلہ نہیں۔ اس کے لئے وہ ارشاد فرماتا ہے:

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

(الأعراف: ۷: ۱۵۶)

میری رحمت کائنات کی ہر شئ پر محیط ہے۔

ممکن ہے ہمارے قارئینِ کرام ابھی اس بات کو نہ سمجھ سکیں۔ اس کے باوجود اس آیۂ کریمہ پر غور فرمائیں۔ شاید بات بہتر طور پر سمجھ میں آ جائے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

(الزمر: ۳۹: ۵۳)

قل، یعنی میرا یہ پیغام میرے ان تمام بندوں کو اچھی طرح سمجھا کر ان تک پہنچا دیجئے جو مستقل اپنے اوپر ظلم روا رکھتے ہیں (یعنی: ہمیشہ کفر و الحاد اور اللہ جلّ جلالہ کی نافرمان، اس کے مخالف اور اس کے مدِ مقابل ہی رہتے ہیں)

تم بھی اللہ جلّ جلالہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا۔

کیونکہ اللہ جلّ جلالہ (کی رحمت کا حال تو یہ ہے کہ وہ کسی بھی وقت، کسی بھی توبہ اور کسی بھی سبب کے بغیر، کیونکہ وہ، رحمۃ للعالمین کا خالق ہے) سب کے سب ہی گناہوں اور نافرمانیوں کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپا کر (ان کو نیکیوں میں بدل کر) بخش دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو فقط مغفرت اور رحم ہی فرماتا ہے۔

اس آیتِ کریمۂ محکمہ میں " قل" کا کلمہ بہت اہم ہے۔

یہ کلمہ ہمیں بتا رہا ہے کہ :

ہر وہ شخص جو قرآنِ حکیم کو اللہ جلّ جلالہ کا کلام سمجھتا ہے۔

اس کا فریضہ ہے کہ :

وہ ہر اس شخص کو جسے وہ کافر، منکرِ خدا، ملحد، مجسم گنہ گار سمجھتا ہے۔ اسے یہ علم ہے کہ کوئی شخص اللہ جلّ جلالہ کے مقابلہ میں سر کشی ہی کرنے والا ہے۔ اللہ کے مدِ مقابل اعلانِ جنگ مستقل ہی کرتا رہتا ہے۔

ان سب لوگوں کو وہ اللہ جلّ جلالہ کا یہ پیغام پہنچا دے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس لئے جب تمہاری سب کوششیں ناکام ہو جائیں۔ تم تھک ہار جاؤ۔ تو فوراً بے دھڑک اپنے ماضی و حال کو بھلا دو۔ اپنے مستقبل کو کامیاب بنانے کے لئے اللہ جلّ جلالہ کی طرف پلٹ آؤ۔ وہ بخوشی تمہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا۔ جنت الرضوان میں بلند مقام مرحمت فرمائے گا۔ تمہاری ناکامیوں کو کامیابیوں میں بدل دے گا۔ ناامیدیوں کو امید کے رنگ میں بدل دے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وآلہ وسلم، اہلبیت اطہار علیہم السلام امت محمدی اور مسلمان، اللہ جلّ جلالہ کے تمام بندوں تک، اللہ عزّ و جلّ کی رحمت کا پیغام پہنچانے کے پابند اور ذمہ دار ہیں۔

۳: احسان:

اللہ جلّ جلالہ کے قوانین کی تیسری اصل اور بنیاد احسان ہے۔

اس لئے اللہ جلّ جلالہ نے اپنے بندوں سے آپس میں احسان کا برتاؤ کرنے کے لئے نصیحت فرمائی ہے۔

وہ چاہتا ہے کہ انسان ایک ایسے عالمگیر معاشرہ کی تشکیل دیں جو آپس میں حقوق کی رسہ کشی کے بجائے فرائض کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی سعی و کوشش پر مشتمل ہے۔

لیکن، اس میں دکھاوا، ایک دوسرے کو پیچھے کی طرف دھکیلنا اور رسہ کشی و کشمکش نہ ہو۔

بلکہ؛

ایک دوسرے کو آگے بڑھانے اور خود اس سے آگے بڑھنے میں محبت و عطوفت و اپنائیت کا ماحول ہو۔

رسہ کشی اس وقت شروع ہوتی ہے جب انانیت اور خود پرستی غلبہ کرلے۔

اگر ہر عمل میں اللہ جلّ جلالہ کی خوشی اور اس کے لیے اخلاص کارفرما ہو تو کاروان، محبت ہی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اور سب کا سفر خوشگوار ہی گزرتا ہے۔

اس لئے خود اللہ جلّ جلالہ، کافر و مسلم، دین دار اور بے دین سب سے برابر رحمت کا سلوک فرماتا ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی مخلوق میں سے کس نے اس کا حق ادا کیا ہے یا نہیں؟ وہ ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھتا ہے کہ وہ خالق ہے۔ خالق ہونے کے سبب مخلوق کے سلسلہ میں اس کا مدعا یہ ہے کہ وہ ان کی بقاء، فلاح، کامیابی اور تکامل و ارتقاء کے وسائل فراہم فرماتا رہے۔ یہ مخلوق اس سے فائدہ اٹھائے یا نہیں۔ اس کا شکریہ ادا کرے یا نہیں۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر قادر مطلق کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

(النحل:۱۶: ۹۰)

یقینا اللہ تعالیٰ عدل سے بڑھ کر احسان اور عفو و درگذر نیز قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ فحشاء اور منکر، بغاوت و ظلم و زیادتی سے منع فرماتا ہے۔ یہ تمہارے لئے بہت اہم نصیحت ہے۔ اگر تم اس پر عمل کرو تو یقینا تم سمجھ جاؤ گے۔

یہاں پر ذرا غور کریں:

عدل کے ساتھ احسان کا کیا تعلق ہے؟

کیوں عدل کے ساتھ احسان کی نصیحت کی گئی ہے؟

ان الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی عدل نہیں احسان ہی چاہتا ہے۔ یعنی وہ نہیں چاہتا کہ اینٹ کا جواب اینٹ اور پتھر کا جواب پتھر سے دیا جائے۔ وہ اپنی ہر مخلوق سے یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر دوسری مخلوق کے ساتھ احسان کرے۔ اچھا سلوک کرے۔ اس لئے جہاں قتل کے بدلے کا ذکر کرتا ہے وہاں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(البقرہ: ۲: ۱۷۸)

مومنو! عام طور سے انسانی معاشرے میں قتل کے سلسلے میں قانون بنایا گیا ہے۔

(یہاں اس سے ہر گز یہ مراد نہیں ہے کہ:

یہ قانون اللہ جلّ جلالہ نے بنایا ہے۔

یہاں اس سے مراد کچھ اور ہی ہے:

مثلاً یہ کہ،

تمہارے معاشرہ میں جو قانون تمہارے حاکموں نے تمہارے لیے بنایا ہے،

وہ یہ ہے:)

کہ آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام اور مونث کے بدلے میں مونث کو قتل کیا جائے۔

(کیونکہ:

یہ بات رحمت الٰہی سے مطابقت نہیں رکھتی کہ اگر عورت کو مرد قتل کرے تو اس عورت کا قصاص ممکن نہ رہے۔ یا غلام کو آقا قتل کردے تو اس کا قصاص نہ لیا جاسکے، وغیرہ وغیرہ)

لیکن درست بات تو یہ ہے کہ:

جو شخص اپنے اس بھائی کو جو اس کے عزیز کا قاتل ہے بخش دے، تو قاتل اور اس کے عزیز رشتہ دار اور احباب بھی، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اس کے ساتھ احسان کا سلوک کریں۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے فقط تخفیف ہی نہیں رحمت ہے۔ اب اس کے بعد بھی اگر کوئی حدود سے تجاوز کرے گا (یعنی عفو و درگذر کے بجائے قصاص ہی لینے پر زور دے گا۔ اس کی یہی زیادتی اس کے ضمیر کو مسلسل جھنجھوڑتی رہے گی۔ اس کو اپنے اندر سے ہی ملامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی) اس کے لیے بہت سخت اور ناقابلِ برداشت عذاب بن جائے گا۔

اس لیے یہ بات توجہ طلب ہے کہ یہاں دراصل یہ سمجھایا جارہا ہے کہ:

تمہارے معاشرہ میں جو قانون تمہارے حاکموں یا قدرت مند افراد نے بنایا ہے۔ اس کا تذکرہ ہے، اس پر توجہ دو۔

یہ تو سراسر غلط اور ظلم ہے۔

اس لیے:

بہتر یہی ہے کہ ایک دوسرے سے عفو و درگذر سے کام لو اور قاتل اور اس کے خاندان والے بھی مقتول اور اس کے خاندان والوں کے ساتھ نیکی اور کرامت کا سلوک کریں۔

یہ تو ایک مثال ہے۔ اگر مفکرینِ اسلام قرآنِ حکیم کی آیتوں پر اس طرح غور و فکر کریں تو علم و دانش کے بہت سے دروازے کھل سکتے ہیں۔

چونکہ قرآنِ حکیم کو ہم ایک بند کتاب سمجھتے ہیں اس لیے ہم بہت سی علمی اور معاشرتی الجھنوں سے نکل نہیں پاتے۔

۱/۳: احسان اور نیکی:

اب سمجھنے کی بات یہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی نظر میں یہ احسان اور نیکی ہے کیا؟ اس سلسلے میں اللہ جلّ جلالہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى

الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ.

(البقرہ: ۲: ۱۷۷)

نیکی ہر گز یہ نہیں ہے کہ تم تسبیحیں پڑھتے رہو۔ مشرق و مغرب کی طرف رخ کر کے ٹکریں مارتے رہو۔ اصل میں نیکی تو یہ ہے۔

❖ کوئی شخص دل کی گہرائی سے واقعاً:

۱. اللہ پر ایمان رکھے۔ ہمیشہ اللہ جلّ جلالہ کے قرب کو محسوس کرے۔ اس کے ساتھ رہے۔

۲. آخرت کے لیے ہمیشہ تیار رہے۔

۳. ملائکہ کے بارے میں یہ بات یاد رکھے کہ وہ ہر وقت اس کے سامنے سجدے میں رہتے ہیں۔ اس کے فرمانبردار ہیں۔

۴. اللہ جلّ جلالہ کی کتاب کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

۵. اللہ جلّ جلالہ کے نبیوں کی باتوں کے مطابق عمل کرے۔

❖ اللہ جلّ جلالہ کی محبت میں اپنے

۶. عزیزوں

۷. یتیموں:

(یتیم تین قسم کے ہیں:

- ایک وہ جن کا ماں باپ یا والی وارث یا شوہر نہیں ہے۔
- دوسرے وہ نیک اور سچے علماء ہیں۔ جو اپنی سچائی اور غیرت کے سبب لوگوں کی بے توجہی سے دوچار رہتے ہیں۔
- تیسرے وہ نابغۂ روزگار مفکر، محقق، سائنسدان وغیرہ جن کی بات عام طور سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے وہ بہت تنگدستی کی زندگی گزارتے ہیں)

اپنی علمی، فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے والے وسائل سے محروم ہوتے ہیں۔

۸. مسکینوں

(وہ نادار لوگ جو اپنی عزت نفس کی خاطر اپنی تنگدستی اور ناداری کو چھپاتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی خاطر مدد کے لیے کھڑے رہے ہیں۔ اس لیے عام طور سے انہیں ضرورت مند نہیں سمجھا جاتا)

۹. مسافروں:

(مسافر چاہے اپنے وطن میں دولتمند ہی کیوں نہ ہو۔ سفر میں اس کی مدد کرنا ضروری ہے)

۱۰. سوالیوں:

(وہ لوگ جو ہم سے آپ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر دو قسم کے اور ذیلی طور پر ۴/ قسم کے ہوتے ہیں:

۱/۱۰: مالِ دنیا کے سوالی:

یہ خود دو قسم کے ہوتے ہیں:

الف: ضرورت مند: جو واقعاً ضرورت مند ہوتے ہیں۔

ان کا تو حق ہی ہے کہ ان کو دیا جائے۔

ب: پیشہ ور سوالی: ان کی مدد اس لیے ضروری ہے کہ انہوں نے ہمارے سامنے دستِ سوال دراز کرکے ہمیں عزت دی ہے اور خود ذلیل ہوئے ہیں۔ ہماری شرافت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی عزت کریں۔

نہ یہ کہ:

ہم بدگمانی کے سبب حق دار کو بھی نہ دیں۔اس طرح اس کے مقروض ہو جائیں۔

۲/۱۰: علم کے سوالی:

ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

الف: وہ جو حصولِ علم کے شیدائی ہیں۔

ان کو درست جواب دینا ان کا حق ہے۔

ب: وہ جو کسی عالم کا مذاق اڑانے کے لیے اس سے سوال کرتے ہیں۔

ان کا جواب دینا عالم کی بزرگواری اور عزت ہے۔

۱۱. وفی الرقاب:

وہ لوگ جن کی گردنوں پر ایسے بوجھ ہیں جو ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ جن کے سبب وہ معاشرہ میں ترقی کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

یہ بوجھ:

ا۔ سنگین قرضہ بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ گھر کے حصول کی تگ و دو میں مالی یا کسی اور قسم کی مشکلیں بھی ہو سکتی ہیں۔

۳۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے اخراجات بھی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ بچوں اور بچیوں کی شادی، بیاہ اور نوکری یا تجارت کے مشکلات بھی ہو سکتے ہیں۔

۵۔ اچھے اور خوش استعداد طلاب علوم کے لیے ان کے مالی، کتابی اور پڑھنے لکھنے کے ماحول کا میسر نہ ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

۶۔ پڑھے لکھے اور اعلیٰ درجہ کے مفکروں کے لیے ان کی ضرورتوں کے نہ پورے ہونے کا بوجھ بھی ہو سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد حکم ہے کہ اب:

۱۲. اقام الصلوٰۃ:

صلوٰۃ قائم کرو۔

(صلوٰۃ کے معانی عام طور سے تو نماز ہی کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن دراصل صلوٰۃ کے معنی کی طرف کسی چیز کے بھیجنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(احزاب: ۳۳: ۵۶)

میں صلوٰۃ کے معنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنے مخلصانہ عمل اور ان کے لئے دعاؤں کا نذرانہ بھیجنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں بھی صلوٰۃ کے معنی اللہ جلّ جلالہ کے حضور مخلصانہ تحائف بھیجنے کا عمل مراد ہے۔ جسے ایک اور مقام پر اس طرح سمجھایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

(محمد: ۴۷: ۷)

اے وہ لوگوں جو ایمان کے دعوے دار ہو۔ (ہم نے تو تم کو سب نعمتیں دے دیں۔ کائنات کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ تم میں اپنی روح پھونک دی۔ اپنی تمام طاقتوں کو تمہارا حکم ماننے پر مامور فرما دیا۔ اس لیے)

اب:

جب تم ہماری (اللہ جلّ جلالہ کی) مدد کروگے۔

تب ہی:

ہم تمہاری مزید مدد بھی کریں گے۔

اور،

مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی طاقت میں اضافہ بھی فرمائیں گے۔ (ثبات قدم کے معانی یہ ہیں)۔

[اس لیے ہماری نظر اور ہمارا فہم یہ ہے کہ یہاں "صلوٰۃ" سے مراد فقط پانچ وقت کی نماز اور وہ بھی فقط فریضہ کی ادائیگی کے طور پر ادا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ یہاں "صلوٰۃ" سے مراد اللہ جلّ جلالہ کے حضور صرف اس کی خاطر نہ جہنم کے خوف سے اور نہ جنت کی لالچ سے، بلکہ صرف اس لیے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جاسکے۔ کائنات کے تمام موجودات خصوصاً عالمِ بشریت کے تکامل کے لیے کوششوں میں مصروف رہنا ہے۔]

۱۳. واٰتوا الزکوۃ:

اب زکوۃ دو (یہاں زکوۃ سے بھی ہر وہ عمل مراد ہے جو کائنات کے تکامل کی بڑھوتری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ "ز ک ک" کے معانی پاک کرنا، بڑھانا، نشو ونما دینا ہی ہیں)۔

(گویا:

اس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز اور زکوۃ کو فقط واجب عمل ہی کی حد تک سمجھتا ہے تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دونوں عبادتیں صرف اسی وقت قابلِ قبول ہیں جب اس سے پہلے کی عبادتیں انجام دے دی جائیں۔

عطا کردہ نعمتوں کے شکرانہ پر اس عاجزانہ اظہار کے لیے کی جائیں کہ ہم اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حق نہیں ادا کر سکتے۔

اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ:)

اس کے بعد:

دل لگا کر اللہ جلّ جلالہ کی عبادت قائم کرتے ہیں۔ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ ہر سطح کے لوگ ان کو دیکھ کر:

١. اللہ تعالی کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔

٢. زکوۃ دینا شروع کر دیتے ہیں (اپنے مال، عزت، جاہ و جلال یعنی علم و معرفت کو پاک و پاکیزہ کرتے ہیں اور معاشرے میں اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ معاشرہ ترقی کرے اور پھلے پھولے)

یہ لوگ اللہ جلّ جلالہ سے یا خود اپنے آپ سے یا کسی اور سے جب بھی کوئی وعدہ کرتے ہیں یا جب بھی کوئی ذمہ داری قبول کرتے ہیں، تو اسے ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔

مشکلوں اور مسائل نیز نقصان حتی کہ انتہائی سخت مراحل میں بھی صبر کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو دل کی گہرائی سے ہر حال میں اللہ عزّوجلّ کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔

اپنے ہر عمل میں اللہ سبحانہ وتعالی کی مرضی کا خیال رکھتے ہیں۔

۱۴. والموفون بعھدھم اذا عاھدوا:

یہ وہ لوگ ہیں جو جب بھی کوئی عہد یا وعدہ کرتے ہیں اسے (یاد رکھتے ہیں، ہر گز نہیں بھولتے اور ہر قیمت پر) پورا کرتے ہیں (چاہے وہ وعدہ اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ یا کسی بھی مخلوق الٰہی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو)۔

(چاہے وہ وعدہ اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (اعراف: ۷: ۱۷۲) والا ہو۔

یا وہ وعدہ کسی شخص یا حکومت و مملکت وغیرہ سے کیا ہو۔

۱۵. وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

انتہائی مشکلات اور نقصانات اور سختیوں پر (سوار رہ کر) صبر و شکیبائی سے (کمرِ ہمت باندھ کر) آگے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

وحين البأس:

بلکہ انتہائی اہم اور اضطراری حالات میں بھی ہمت نہیں ٹوٹنے دیتے، صبر سے آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

۱۶. یہی لوگ سچے بھی ہیں۔

اور

۱۷. یہی لوگ متقی (یعنی اللہ کی خاطر، اللہ کے دین کی بقا کی خاطر جان دینے والے) بھی ہیں۔

ضروری نوٹ:

یہاں ہم اپنے قارئین سے معذرت چاہتے ہیں، کہ اس آیت کے مطالب کو درست طور پر پہنچانے کے لیے ہمیں ترجمہ سے زیادہ شرح بھی کرنا پڑی۔ اس کے علاوہ بعض باتوں کا تکرار بھی کرنا پڑا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء وأحسن الجزاء وأکمل الجزاء۔

اس آیہ کریمہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ:

مومن اللہ جلّ جلالہ سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کرتا ہے صرف اور صرف اللہ جلّ جلالہ کی محبت و عشق و الفت میں کرتا ہے۔ نہ دکھاوے کے لئے۔ نہ اپنے نفس کی تسکین کے لئے۔ نہ دوسروں سے تعریف سننے کے لئے۔ نہ دوسروں پر احسان جتانے کے لئے۔ نہ ہی

نعوذ باللہ دوسروں کو اپنا غلام بنانے کے لئے۔ اس کی ہر عبادت کا مقصد صرف اور صرف اللہ جلّ جلالہ کی محبت اور فقط اس کی خوشی ہوتی ہے۔

یہ اور ان جیسی بہت سی آیتیں ہیں۔ بے شمار روایتوں اور حدیثیں ہیں۔ پھر سیرت انبیاء و اہل بیت رسول علیہم الصلاۃ والسلام کے مطالعہ سے ہمیں ان کی زندگی کے ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ان سب پر غور کرنے سے ہمیں:

قانونِ الٰہی نیز عالمِ انسانیت کی فطرت کے سلسلہ میں اللہ عزوجلّ کے بنائے ہوئے ایک بہت ہی منور اور تابان اور واضح اصول تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جو یہ ہے کہ:

" تمام کائنات کی بنیاد اور انسانیت کی شرافت اور کمال، عدل و انصاف، مساوات اور برابری نہیں

بلکہ:

احسان، نیکی اور اپنے حقوق کو نظر انداز کرکے دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ پہنچانا ہے۔ اگر کسی کو اس کا حق دیا جائے تو یہ تو نیکی نہیں ہے۔ اگر نہ دیتے تو مجرم قرار پاتے۔ کسی کا حق یا اس کے حق سے کم دے کر یہ سمجھنا کہ میں نے نیکی کی۔ یہ تو مہمل بات ہے۔ اگر ہم اس کو یہ نہ دیتے تو مجرم تھے"۔

اس لئے قرآن مجید نے ہمیں یہ اصول دیا ہے:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ۔ قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔

جو لوگ اپنے ذاتی مال کو (جس سے واجبات مالی یعنی خمس و زکات ادا ہو چکے ہوں) اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر اس کا حساب کتاب تک نہیں مانگتے۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کا احسان نہیں جتاتے۔ جن پر خرچ کرتے ہیں ان کو تکلیف دے کر ان کا پیچھا نہیں کرتے۔

ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں اس کا اجر ہے۔

ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ ہی وہ کسی حزن وملال کا شکار ہوں گے۔

کسی سے اچھی طرح بات کرنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہت اچھا ہے جس کے بعد اس کو طعنہ دے کر یا جتلا کر اذیت دی جائے۔

اللہ تو بے نیاز اور بردبار ہے۔

اے مومنو! نیکیوں اور صدقوں کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر بیکار نہ کرو۔

اس شخص کی طرح (نہ بنو) جو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ نہ تو وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ ہی یوم آخرت پر۔

اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی چوٹی پر مٹی ہو۔ اس پر بارش آ کر وہ مٹی بہالے جائے۔ ٹیلا چٹیل پتھر کا رہ جائے۔ اس طرح کے لوگ اپنی کمائی پر ذرا بھر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کافروں کی ہدایت ہی نہیں کرتا۔

(البقرہ: ۲: ۲۶۲ - ۲۶۴)

ان تمام باتوں کا نچوڑ یہی نکلتا ہے کہ:

"اللہ تعالی اپنے تمام مخلوقات سے ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کے برتاؤ کرنے کی توقع رکھتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے اپنے حقوق کی کشمکش میں اپنی شرافت و کرامت کھو بیٹھیں۔ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کریں۔

اللہ سبحانہ تعالی کی نظر میں انسانیت کا کمال عبودیت، بندگی الہی ہے۔ اس عبدیت و بندگی کا کمال اس کے مخلوقات کے ساتھ نیکی کا سلوک ہے۔ نیکی، اپنے حقوق نظرانداز کرکے اپنے فرائض کا ادراک کرنا ہے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے طور پر اپنی ہمت سے زیادہ آگے بڑھ کر دوسروں کے حقوق سے زیادہ ان تک پہنچانا ہے۔ پھر اس پر اکڑے نہیں۔ غرور نہ کرے۔ بار بار نہ جتائے"۔

۴۔ کرامت:

قوانین و شرائع الٰہی کا چوتھا اصول کرامت ہے۔

اللہ جلّ جلالہ کریم ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے کرامت کا سلوک کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق بھی آپس میں کرامت کا سلوک کرے۔

کرامت کے معانی ہیں ہر حال میں اپنی مخلوق یا اپنے ارد گرد کے لوگوں خاص طور سے ان لوگوں کی عزت نفس کا خیال رکھنا۔ ان کی عزت نفس کی پرورش کرنا۔ جو اس شخص کا احترام یا اطاعت نہیں کرتے۔ اس کے احسان فراموش ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ خیال رکھنا کہ ہماری کسی بات سے کوئی بھی یہ خیال نہ کرے کہ ہم اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچارہے ہیں، کرامت کا سلوک ہوتا ہے۔

اس لئے نہ وہ خود اپنے بندوں پر احسان جتاتا ہے۔ نہ ہی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی مخلوق اگر ایک دوسرے پر احسان کرے تو اس کو جتائے۔ اس نے نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ احسان کرکے، بار بار اس کا ذکر کرے اور احسان جتائے تو اس کا یہ احسان باطل اور ختم ہو جاتا ہے۔

اس لئے اللہ کی بھیجی ہوئی شریعتوں، ادیان اور قوانین میں کرامت کے عنصر کا وجود ضروری ہے۔

کرامت کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہم دوسروں کی کمزوریوں کو ان کے سامنے بیان کرنے کے بجائے نہ صرف ان کو نظر انداز کریں بلکہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ وہ خود کو اچھا سمجھیں۔ مزید اچھا بننے کی کوشش کرنے لگیں۔

ایسی باتوں کا اظہار نہ کریں جس سے ان کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو۔ اس کے بجائے ایسی بات ان سے چھپا دی جائے۔

ان کی موجودہ حیثیت کی اس طرح تعریف کی جائے کہ وہ مزید ترقی اور بہتری کی طرف رواں دواں ہوں۔

کیونکہ اگر کسی کے سامنے اس کی کمزوری کا اظہار کر دیا جائے تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی ترقی رک جاتی ہے۔

ہمیں اپنے درسی، تدریسی اور معاشرتی معاملات میں مسلسل اس کا تجربہ ہوا ہے۔ جب ہم کسی شاگرد، دوست، عزیز، خاندان کے افراد کو مسلسل اس بات کا شعور دلاتے ہیں کہ آپ نہ صرف یہ کہ اچھے ہیں بلکہ ہم سے اور بہتوں سے بہتر ہیں تو ان کی ترقی و تکامل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ وہ فکری اور اخلاقی طور پر ہم سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرنے لگتے ہیں۔ پھر ہمیں ان کے ذریعہ نئے افکار و اخلاق و کردار سیکھنے اور استوار کرنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ آپ کسی کے گھر کھانے پر مدعو ہوں۔ اچھا نہ پکا ہو۔ آپ وہ کھانا مزے لے کر کھائیں۔ کھانے کی تعریف کر کے اٹھیں۔ کھانا پکانے والی یا والے کو انعام دے کر رخصت ہوں۔

اس کے بار بار پوچھنے کے باوجود کہ کھانے میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی تھی؟ نمک مصالحہ کم تو نہیں تھا؟ آپ یہی کہیں:

جی نہیں! سب کچھ بہت مناسب تھا۔ کھانا بہت مزیدار تھا۔ اس میں آپ کی محبت نے اسے اور بھی لذیذ کر دیا تھا۔

آپ کے اس اخلاق سے گھر والے اور پکانے والے بہت متاثر ہوں گے۔ اپنے پکائے ہوئے کھانے کے عیوب و نقائص پر جب خود غور کریں گے تو ان کو آپ کی کرامت کا ادراک ہو گا۔ ان کے دل میں آپ کی عزت بڑھے گی۔

آئندہ جب آپ اس گھر میں دعوت پر جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس دفعہ کھانا پہلے سے بہت اچھا اور لذیذ پکا ہے۔

ہمیں خود بار بار اس بات کا تجربہ ہوا ہے۔

۱/۴: اللہ جلّ جلالہ کی کرامت:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت اور مطالب و معارف الٰہی و قرآنی کو سمجھنے کی ایک اور اصل یا اصول "کرامتِ الٰہی کا فہم و ادراک" ہے۔

کرامت سے مراد زندگی کے مختلف مراحل میں اپنے بندوں، چاہنے والوں اور چہیتوں کی کمزوریوں، خطاؤں، بھول چوک اور غلطیوں کو نہ صرف نظرانداز کر دینا بلکہ ان کو بھلائی اور نیکی بنا کر چمکا دمکا کر، آب و تاب دے کر ان کے سامنے پیش کرنا بلکہ، اگر وہ کچھ مطالب و مفاہیم کے فہم و ادراک سے قاصر ہوں، تو، ان مفاہیم و مطالب کو بیان کرنے سے رک جانا۔ قرآن حکیم کے مفاہیم میں اللہ جلّ جلالہ کی کرامت کا یہ پہلو بڑی آب و تاب سے چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔اس لئے وہ قرآن حکیم میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جب کوئی بات تم سے چھپائی جائے اس کو نہ کریدو کیونکہ اگر یہ تمہیں بتادی گئی تو تمہیں پسند نہیں آئے گی۔اس طرح تم مشکل میں پھنس جاؤ گے۔

اللہ جلّ جلالہ تمہیں مشکل میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔اس لئے ارشاد رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ إِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَ اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ.

(المائدۃ: ۵: ۱۰۱-۱۰۲)

مومنو! ان باتوں کی کرید نہ کرو (سوال نہ کرو، جستجو نہ کرو، جو ہم نے مصلحتاً اور کرامتاً تم سے بیان نہیں کی ہیں کیونکہ) اگر وہ تمہیں بتا دی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی۔

خاص طور سے جب قرآن نازل ہو رہا ہو اس وقت تو ان کے بارے میں ہر گز سوال نہ کیا کرو۔ اللہ جلّ جلالہ نے ان باتوں کے بارے میں تم سے عفو و درگذر سے کام لیا ہے۔ تم سے پہلے کی قوموں نے اس قسم کی باتوں کے بارے میں سوال کیا۔ بہت اصرار کیا۔ (جب ہم نے انہی کے اصرار پر ان کے سامنے ان باتوں کو کھول دیا) پھر انہوں نے خود ہی ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَ لَوْ أَنَّ قُرْآناً سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَى بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعاً أَ فَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعاً وَ لاَ يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيباً مِنْ دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لاَ يُخْلِفُ الْمِيعَادَ

(رعد: ۱۳: ۳۱)

اگر قرآن کے ذریعہ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا زمین کو پھاڑ دیا جاتا یا مردوں کو کلام کی طاقت دے دی جاتی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ تمام معاملات اللہ کی گرفت میں ہیں۔ کیا اب بھی مومنوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اللہ چاہے تو سب کے سب انسانوں کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کر دے۔ کافروں پر جو کچھ بلائیں آتی ہیں یا ان کے گھروں کے قریب جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ ان کی اپنی کارستانیوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ اس وقت

تک ہوتا رہے گا جب تک اللہ کا وعدہ پورا نہیں ہوگا۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(مطلب یہ ہے کہ:

ایک وقت آئے گا جب یہ لوگ اللہ جلّ جلالہ کی طرف پلٹیں گے۔ اللہ جلّ جلالہ اس وقت اپنی رحمت و کرامت کے سبب ان کو، ان کی اپنی ہی لائی ہوئی ان مشکلات سے نکال دے گا)

یہی کرامت کا قانون ہے۔ جس کے سبب اللہ جلّ جلالہ نے بہت سی باتیں اپنے بندوں کے سامنے بیان نہیں کی ہیں۔ انہیں اپنی شریعت، دین اور دین کے قوانین کا حصہ نہیں بنایا ہے۔ منع فرمایا ہے کہ ان باتوں کی کرید نہ کرو۔ ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ اگر تم نے بار بار سوال کیا اور ہم نے ان باتوں کو تمہارے سامنے بیان کر دیا تو تم انہیں برداشت نہیں کر سکو گے۔ یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔

اس لئے جو باتیں اللہ جلّ جلالہ نے ہم سے بیان نہیں کی ہیں ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس کے بارے میں جستجو اور سوال نہ کریں۔ ان کے بارے میں اپنی فکر و عقل و سوج بوجھ کے مطابق سوچنے اور عمل کرنے میں اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں آزادی دی ہوئی ہے۔

گویا:

"منطقۃ الفراغ" یعنی جن معاملات میں یا جن چیزوں کے بارے میں اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا، ان میں کسی نہ کسی طرح اللہ عزوجل کے حکم کی کرید کرنا یا اس کی طرف سے کسی اور حکم کی بنیاد پر حکم تراشی کرنا رحمت الٰہی کے خلاف ہے۔

اس لیے ارشادِ رب العزت ہوا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

(الاعراف ۷: ۳۲)

ان سے پوچھئے!

کون لوگ ہیں جو اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کے لیے جو زینتیں، لذتیں اور پاکیزہ رزق فراہم کیے ہیں، انہیں، اللہ عزوجل کے بندوں کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

معاشرہ کی زبوں حالی

معاشرہ کی زبوں حالی

ان تمام اصلوں کے بارے میں آیات اور ان کے مفاہیم پر ہماری گفتگو ختم ہوئی۔

فی الحال انہی چار اصلوں کو سامنے رکھ کر ہم مسلمان معاشرہ اور اس میں موجود رسم و رواج پر غور کرتے ہیں۔

مسلمان مفکر عام طور سے یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ خاندان، اسلام اور اسلامی معاشرہ کی پہلی اکائی ہے۔

جب، یہ مفکر مسلمان خاندان کی اکائی کی تشکیل اور اس میں رائج قوانین کا تعارف کراتے ہیں تو وہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ عورت، خود کو مرد کے نکاح میں دیتی ہے۔

۲۔ مرد اس سے نکاح کو قبول کرتا ہے۔

۳۔ اس ایجاب و قبول کے فورا بعد عورت اپنے جسم و جان، قلب و روح اور خاندانی روابط سے متعلق ہر چیز سے لاتعلق ہو جاتی ہے۔

نہ وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتی ہے۔

نہ وہ اپنے اعزاء واقرباء کے ساتھ (شوہر اور اس کے خاندان کی اجازت کے بغیر) کوئی رابطہ اور سلوک روا رکھ سکتی ہے۔

۴۔ نہ ہی اس کو اس کی اولاد پر کوئی حق ہوتا ہے جس کو اپنے پیٹ میں پرورش کرنے کے بعد انتہائی تکلیف اٹھا کر اپنی جان پر کھیل کر اسے پیدا کرتی ہے۔ پھر اسے اپنی جان بھر کا نچوڑ پلا کر پالتی پوستی اور بڑا کرتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ مرد ہی کا ہوتا ہے۔

شادی کے بعد اس کا کام فقط یہ ہوتا ہے کہ:

۱۔ وہ شوہر کی کسی بھی زیادتی اور ظلم پر آہ تک نہ کرے۔

۲۔ اس کے خلاف آواز بلند کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

۳۔ حد یہ ہے کہ بیماری دکھی اور تھکاوٹ یا عدم میلان کی صورت میں بھی شوہر کی خواہشات سے روگردانی کرنا بھی اس کے لئے گناہ کبیرہ ہے۔

۴۔ اس کے برعکس اگر کبھی بھولے سے وہ شوہر سے بستر پر کسی تمنا کا اظہار کر دے تو وہ مجرم گردانی جاتی ہے اور شوہر کے لئے اس کی تمنا کا انکار عبادت ہے۔

۵۔ شوہر اس پر جو بھی ظلم کرے اس کے لئے اس کا برداشت کرنا عبادت ہے۔

۶۔ وہ نہ خود سے، نہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے، نہ معاشرے سے اور نہ ہی اپنے رحیم و کریم پروردگار سے شوہر کی شکایت کا حق نہیں رکھتی۔

۷۔ اسے ہر حال میں شوہر کا تابعدار اور شکر گزار ہی رہنا ہوتا ہے۔

۸۔ شوہر کی کسی قسم کی شکایت، بیوی کے لئے گناہ ہے۔

اب، بچوں کو لے لیں۔ بچوں کے لئے بھی باپ کی ہر بات کا ماننا۔ اس کے ہر ظلم کا سہنا عبادت ہے۔ وہ باپ کے سامنے اس کے مظالم پر اُف تک نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ نعوذ باللہ باپ کو اولاد کو قتل کر دینے بلکہ بعض مفکرین و فقہاء کے نزدیک انہیں بیچ دینے تک کا حق حاصل ہے۔

ان سب باتوں کی دلیل قرآن حکیم کی آیات اور احادیث و سیرت انبیاء واہلبیت علیھم السلام سے پیش کی جاتی ہیں۔ یہ دلیلیں اتنے غرور اور اعتماد کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں کہ واقعی پڑھا لکھا انسان تقویٰ اور ایمان کی ذرہ برابر کمزوری کے سبب ان پر قرآن حکیم کے ظاہری نصوص اور عام فہم آیتوں کو سمجھ لینے کے باوجود ان کی دلیلوں پر ایمان لانے پر مجبور ہوتا ہے۔

اب، ذرا اور مزے کی بات پر غور کریں۔ جب مسلمان بچے، بچیاں اس ماحول میں پرورش پاتے ہیں کہ ان کو بار بار یہ سمجھایا اور دکھایا جاتا ہے کہ بیوی پر شوہر کا ظلم کرنا عبادت ہے۔ بیوی کا شوہر کے ہر ظلم و ستم کو خوشی خوشی سہنا عبادت ہے۔ یہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ اسے نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ عورت کا بہترین جہاد ہے۔

اسی طرح اس کو بار بار یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اولاد کا باپ کے مظالم کا سہنا اور ان پر اس وقت اُف تک نہ کرنا عبادت ہے اور باپ کا اولاد پر ظلم کرنا خصوصاً عبادات الٰہی پر زبردستی مجبور کرنے کے لئے مختلف قسم کی غیر انسانی سزائیں دینا مثلا کھانا پانی بند کر دینا وغیرہ، عبادت ہے۔

اب، جب وہ اس ماحول میں جوان ہوتا ہے۔ اسے پوری طرح باور ہو چکا ہوتا ہے کہ ظلم کرنے والا ظالم بھی "مجاہد فی سبیل اللہ" ہے اور ظلم سہنے والا مظلوم بھی "مجاہد فی سبیل اللہ" ہے۔ یہ باتیں اس کے دل و دماغ، روح و فکر میں رچ بس جاتی ہیں۔ اسے یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ جب تم بھی شوہر یا بیوی بنو گے تو تمہیں بھی اس طرح کی ظالمانہ اور مظلومانہ زندگی بسر کرنا ہو گی۔ جب تم باپ بنو گے تو تمہیں بھی اس طرح ظلم کرنا ہو گا ورنہ تمہاری تمام عبادتیں ضائع ہو جائیں گی۔

تو، جوانی کے موقع پر اسے ایک نئی کشمکش میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ جلّ جلالہ اور اسلام تم سے چاہتا ہے کہ تم ہر اس ظلم کے مقابلے میں جہاد کرو اور ہر اس ظالم سے نفرت اور دشمنی کرو جسے ہم ظالم اور ظلم کہتے ہیں۔

ذرا انصاف سے سوچئے! اب ہم کس قسم کے جوانوں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ جب وہ ان سب باتوں پر غور کرکے اپنی ابتدائی اور خاندانی مستقبل کی زندگی سے مقابلہ کرکے ظلم اور ظالموں کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے تیار ہوتا ہے تو وہ کس قسم کی کشمکش میں گرفتار ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں کے باوجود ہمارا معاشرہ ایک غلام معاشرہ کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ آج تک مسلمان معاشرہ باہمی قتل و غارت میں گرفتار ہے۔ وہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کے بجائے، آپس میں ایک دوسرے کو کافر بنانے اور قتل کرنے کو بہت بڑی عبادت سمجھتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم آج اس بات پر غور کریں کہ یہ جو باتیں چودہ صدیوں سے ہمارے مسلمات کے طور پر ہمارے ذہنوں میں راسخ کی جاچکی ہیں یہ کس حد تک صحیح ہیں، ان میں کس طرح کے انحرافات وارد ہوئے ہیں، ان میں اللہ جلّ جلالہ، انبیاء و رسل اور اہلبیت اطہار علیہم السلام پر کس قدر تہمتیں باندھی گئی ہیں، ان میں قرآن کریم کی واضح آیتوں کے مفاہیم اور انبیاء و رسل اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی سیرت و سنت میں کس طرح اور کس قسم کی بہتان طرازیوں اور انحرافات کا انبار لگا دیا گیا ہے کہ اصل واقعیت اور حقیقت ان بہتان طرازیوں اور انحرافات کے انبار میں دب کر گم ہو گئی ہے۔

آج کے دور کے متدین مفکروں اور مجتہدوں کا کام ہے کہ وہ قرآنی حقائق اور سیرت کی سچائی کو اس گرد و غبار سے نکال کر دھو دھلا کر اور چمکا کر عالم انسانیت اور مسلمان معاشرہ کے سامنے پیش کرکے انہیں اس گہری گمراہی سے باہر نکالیں۔

آیہ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ" پر

تقویٰ کے ساتھ تفکر وتدبر:

آیہ "اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ عَلَی النِّسَاءِ" پر

تقویٰ کے ساتھ تفکر وتدبر

اس مختصر سی بنیادی گفتگو میں ہم نے قرآن حکیم اور احکام اسلامی کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید سے کم سے کم چار بنیادی اصول بیان کئے ہیں۔اب ہم اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔اصل موضوع کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

زن و مرد کی گفتگو کے سلسلہ میں جو آیت کریمہ بنیادی طور پر خواتین کے خلاف عوامی اور معاشرتی ذہن بنانے کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے وہ سورہ نساء کی چونتیسویں آیت کریمہ ہے۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ جو چند اہم باتیں عوام کو تلقین کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱. مرد شوہر کی حیثیت سے بیوی پر حاکم ہے۔
۲. عورت بیوی کی حیثیت سے ہر حال میں شوہر کی اطاعت پر مجبور ہے حتی کہ وہ اپنے ماں باپ کی بیماری اور موت میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر شرکت نہیں کر سکتی۔
۳. بیوی اگر شوہر کی نافرمانی کرے تو شوہر،

الف) پہلے اسے نصیحت کرے۔

ب) پھر بستر میں اس کو تنہا چھوڑ دے۔

ج) پھر اسے مارے۔

مفسروں اور مترجموں نے عموماً اس طرح کے مفہوم بیان کئے ہیں۔ کسی نے اگر بہت زیادہ بچنے کی کوشش کی ہے تو "قَوّامُونَ" کے معانی میں "انتظامات واصلاحات کا ذمہ دار" بیان کر دیا ہے۔ یا بہت جدید عہد میں آیت اللہ ناصر مکارم نے "اضربوھنّ" کے معانی "سیر و تفریح" کے کر دیئے ہیں۔ مگر پھر بھی عمومی مفہوم اسی طرح سمجھایا جاتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں بیوی کو شوہر کی مرضی کی مخالفت کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ وہ آیت کریمہ ہے جس کا ترجمہ اور تفہیم کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ عام طور سے مسلمان علماء، فقہاء اور عوام کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ میاں بیوی کے رشتہ میں بیوی مرد کی لونڈی ہے اور مرد بیوی پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھ سکتا ہے۔ اس میں فرق نہیں کہ وہ بیوی نیک، فرمانبردار ہو یا نافرمان۔ مرد کا حق ہے کہ وہ بیوی پر زبردستی کرے اور بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی ہر بات کی بلاچون وچرا اطاعت کرے حتی کہ اپنے ماں باپ، اعزّاء و اقرباء وغیرہ سے میل ملاقات اور ان سے متعلق اپنے واجبات کی ادائیگی بھی شوہر کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دے سکتی۔

وہ خواہ کسی بھی حالت یا مرض میں ہو اس پر سے نماز، روزہ معاف ہو سکتا ہے لیکن شوہر اگر اس سے جنسی عمل کا تقاضا کرے تو وہ کسی حالت میں اس سے انکار نہیں کر سکتی خواہ وہ کاروان کے ساتھ اونٹ پر ہی کیوں نہ بیٹھی ہوئی ہو۔[۵]

---

[۵] بخاری: کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء: حدیث نمبر ۳۲۳۷، نقلہ مسلم و سنن و مسند و غیرھم، کلینی: الکافی: فروع: ج ۵: باب حق الزوج علی المرأۃ: ص ۸۸۳، کافی کی روایت میں الفاظ کا فرق ہے مگر معنی یہی ہے وہاں علی ا۔۔۔کے بجائے "علی قتب" ہے۔

اگر آپ زحمت فرما کر فقط الکافی کی پانچویں جلد کی کتاب النکاح کے "باب حق الزوج علی المرأۃ" کی آٹھ اور "باب کراھیۃ ان تمنع النساء ازواجھن" کی دو روایتوں کا سوچ سمجھ کر مطالعہ فرمالیں تو آپ کو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا جس میں انہوں نے فرمایا:

"عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ اَلثَّانِي عَلَيْهِ السَّلاَمُ فِي مُنَاظَرَتِهِ مَعَ يَحْيَى بْنِ أَكْثَمَ وَ سَيَجِيءُ بِتَمَامِهِ فِي مَوْضِعِهِ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ فِي حَجَّةِ اَلْوَدَاعِ :

قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ اَلْكَذَّابَةُ

وَ

سَتَكْثُرُ

فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ اَلنَّارِ

فَإِذَا أَتَاكُمُ اَلْحَدِيثُ

فَاعْرِضُوهُ عَلَى كِتَابِ اَللَّهِ وَ سُنَّتِي

فَمَا وَافَقَ كِتَابَ اَللَّهِ وَ سُنَّتِي فَخُذُوا بِهِ

وَ

مَا خَالَفَ كِتَابَ اَللَّهِ وَ سُنَّتِي

فَلاَ تَأْخُذُوا بِهِ اَلْخَبَرَ."[٦]

مجھ پر بہت زیادہ جھوٹ باندھا جانے لگا ہے۔ اور یہ بات بڑھتی ہی جائے گی (یعنی جتنا زمانہ بڑھتا جائے گا، جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کر مجھ سے منسوب کرنے کا رواج بھی بڑھتا جائے گا)

اس لیے:

جب بھی کوئی مجھ سے منسوب حدیث سنو تو:

اس کو اللہ جلّ جلالہ کی کتاب (قرآن حکیم) کے مفاہیم اور میرے اخلاق، رواداری، محبت، سخاوت و رحمت کے مطابق پر کھو۔ اگر وہ:

اللہ جلّ جلالہ عزّ و جل کی کتاب اور میری سنت و سیرتِ حسنہ کے مطابق ہو تو قبول کرو۔

[٦] احتجاج: ج ٢: ص ٢٤٦

اور

اگر وہ ان دونوں کے مخالف ہو

تو

اسے اٹھا کر دیوار پر دے مارو!

جب ہی آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ واقعاً رسول و اہل بیت رسول علیہم السلام کی اصل مظلومیت یہی ہے کہ ان کی طرف بہت سی من گھڑت باتوں کی نسبت اس اعتماد کے ساتھ دی گئی ہے کہ سارا دین ہی الٹ پلٹ ہو گیا ہے۔

فاعتبروا یا أولی الالباب!

ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ہمارے بزرگوں یا ہمارے معاصرین نے اس آیت کے مفہوم اور ترجمہ کو کس طرح بیان کیا ہے۔ جو لوگ اس کو سمجھنا چاہتے ہیں وہ خود ہی ترجموں اور تفسیروں کا مطالعہ کرکے اس بات پر غور فرمالیں۔

ہم نے اس آیت کریمہ کو کچھ اصول و ضوابط کے سایہ میں سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ اصول و ضوابط خود قرآن حکیم ہی نے مختلف مقامات پر بیان کئے ہیں۔ اس تدبر و تفکر کے نتیجہ میں ہم اس آیت کریمہ سے جن مفاہیم کو سمجھ سکے انہیں یہاں ہم اپنے مخاطبین و قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ آیت کریمہ ہمیں جو مفاہیم سمجھا رہی ہے وہ یہ ہیں:

أَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَ بِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ،

فَالصَّالِحَاتُ، قَانِتَاتٌ، حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَ اللاَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ: فَعِظُوهُنَّ، وَ اهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَ اضْرِبُوهُنَّ،

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيراً.

(النساء: ۴: ۳۴)

مرد اپنی بیویوں کے مددگار و معاون، ان کی عزت و تکریم کے پشت و پناہ اور محافظ ہیں نیز ان کے معاملات کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ اللہ جلّ جلالہ نے کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں پر فضیلت دی ہے، (اور یہ مرد اپنی بیوی پر کوئی فضیلت رکھتا ہو)۔

۲۔ کہ وہ اپنے مال و دولت و جائیداد سے ان پر دل کھول کر خرچ کرتا ہو۔

تو دراصل تو بیویاں نیک، قانع اور اپنے شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کی اس عزت اور ان امانتوں کی محافظ ہوتی ہیں جن کی اللہ جلّ جلالہ نے حفاظت کی نصیحت کی ہے۔

لیکن اگر ان میں سے کچھ ایسی نکل آئیں جن کے لئے تمہیں ایسا محسوس ہو کہ یہ تمہارے لئے مشکلات کا باعث بنیں گی، تو تم ان کو نصیحت کرو، نہ

سمجھیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، دباؤ سے آزاد کر دو (شاید دباؤ سے آزاد ہونے کی وجہ سے خود سمجھنے کی کوشش کریں)، پھر بھی نہ سمجھیں تو انہیں سیر و تفریح کراؤ، ان کی تربیت کی کوشش کرو اب اگر یہ سمجھ جائیں تو پھر زبردستی ان پر دباؤ نہ ڈالو۔

یاد رکھو! اللہ جلّ جلالہ بلند و برتر اور کبریائی کا حامل ہے۔

اس آیت کریمہ کے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ایک نہایت تکلیف دہ قصہ گھڑ کر جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر، منسوب کیا گیا ہے:

إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه و آله خَرَجَ فِي بَعْضِ حَوَائِجِهِ فَعَهِدَ إِلَى امْرَأَتِهِ عَهْداً أَلَّا تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهَا حَتَّى يَقْدَمَ قَالَ وَ إِنَّ أَبَاهَا مَرِضَ فَبَعَثَتِ الْمَرْأَةُ إِلَى النَّبِيِّ ص فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي خَرَجَ وَ عَهِدَ إِلَيَّ أَنْ لَا أَخْرُجَ مِنْ بَيْتِي حَتَّى يَقْدَمَ وَ إِنَّ أَبِي قَدْ مَرِضَ فَتَأْمُرُنِي أَنْ أَعُودَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و آله لَا اجْلِسِي فِي بَيْتِكِ وَ أَطِيعِي زَوْجَكِ قَالَ فَثَقُلَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ ثَانِياً بِذَلِكَ فَقَالَتْ فَتَأْمُرُنِي أَنْ أَعُودَهُ فَقَالَ اجْلِسِي فِي بَيْتِكِ وَ أَطِيعِي زَوْجَكِ قَالَ فَمَاتَ أَبُوهَا فَبَعَثَتْ إِلَيْهِ إِنَّ أَبِي قَدْ مَاتَ فَتَأْمُرُنِي أَنْ أُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَا اجْلِسِي فِي بَيْتِكِ وَ أَطِيعِي زَوْجَكِ قَالَ

فَدُفِنَ الرَّجلّ فَبَعَثَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و آله إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكِ وَ لِأَبِيكِ بِطَاعَتِكِ لِزَوْجِك»'

عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں، انصار میں سے ایک اپنی بعض ضرورتوں کے لئے سفر پر گیا، اس نے اپنی بیوی سے عہد لیا کہ اس کی واپسی تک وہ اپنے گھر سے نہیں نکلے گی۔

کہتے ہیں:

اس کا باپ بیمار ہو گیا۔

اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پیغام بھیجا۔

عرض کی کہ:

میرا شوہر سفر پر گیا ہے اور اس نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ اس کے واپس آنے تک میں گھر سے باہر نہیں نکلوں گی۔

اب میرا باپ بیمار ہو گیا ہے.

آپ مجھے حکم دیں گے تاکہ میں اس کی عیادت کو چلی جاؤں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

---

[۷] کلینی: الکافی: الفروع: ج: ۵: کتاب النکاح: باب مایجب من طاعۃ الزوج علی المرأۃ: ط: الأمیرۃ بیروت: ص:۸۸٦

نہیں، اپنے گھر میں بیٹھی رہو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو۔

کہتے ہیں:

اس کی بیماری سنگین ہو گئی تو اس عورت نے دوبارہ عیادت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پیغام بھیجا:

آپ مجھے حکم دیں تاکہ میں عیادت کو چلی جاؤں۔

اس کو یہی جواب ملا:

اپنے گھر میں بیٹھی رہو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو۔

کہتے ہیں:

پھر اس کا باپ مر گیا۔ اس نے پیغام بھیجا:

میرا باپ مر گیا ہے آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اس کی نماز میں شرکت کروں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

نہیں!

اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو۔

یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ:

سب سے پہلے تو یہ قصہ بیوی پر شوہر کے حق سے متعلق نہیں ہے۔

اس میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ کسی شوہر نے سفر میں جاتے ہوئے بیوی سے عہد لیا۔

عہد تو عہد ہے کسی شرعی فریضہ کے سلسلہ میں بھی حکمِ الٰہی یہ ہے کہ اگر کسی شرعی فریضہ یا اللہ جلّ جلالہ سے کیئے ہوئے کسی عہد یا نذر کے درمیان کوئی اضطراری حالت آ جائے تو وہ شرعی فریضہ، یا عہد و قسم واجب نہیں رہتے ہیں۔

اب اگر شوہر سے عہد کے درمیان بیوی کا باپ بیمار ہو گیا تو اصولی طور پر تو اسے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لیکن اگر اس نے اس خیال سے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ ہی لیا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت و عطوفت کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ پہلی ہی مرتبہ اس کو اجازت مرحمت فرما دیتے۔ یہ کونسی بات ہوئی کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے نبیؐ نے کسی خاتون کو اس کے باپ کے جنازے تک میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔

حالانکہ اس کے اس عمل سے شوہر کا کوئی بھی حق ضائع نہیں ہو رہا تھا۔

شاید اس زمانہ میں سفر کے دوران پیغام کے سرعت کے ساتھ رد و بدل کا انتظام ہوتا تو اس کا شوہر خود ہی اس بات کی اجازت دے دیتا۔

اسی طرح ایک اور روایت نقل کی جاتی ہے کہ:

فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اَللَّهِ مَنْ أَعْظَمُ اَلنَّاسِ حَقّاً عَلَى اَلرَّجلِ قَالَ وَالِدُهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اَللَّهِ مَنْ أَعْظَمُ اَلنَّاسِ حَقّاً عَلَى اَلْمَرْأَةِ

قَالَ زَوْجُهَا قَالَتْ فَمَا لِي عَلَيْهِ مِنَ اَلْحَقِّ مِثْلُ مَا لَهُ عَلَيَّ قَالَ لاَ وَ لاَ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ وَاحِدَةٌ قَالَ فَقَالَتْ وَ اَلَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيّاً لاَ يَمْلِكُ رَقَبَتِي رَجل أَبَداً۔[8]

کہتے ہیں ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں آئی۔

اس نے عرض کی:

یارسول اللہ!

مرد پر انسانوں میں سے سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اس کے باپ کا۔

پھر اس پر اس نے عرض کی:

یہ بتایئے عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اس کے شوہر کا۔

تو اس نے عرض کی کہ:

[8] الکافی: ج:۵ : ص:۵۰۶

جو حق اس کا مجھ پر ہے کیا اس طرح کا کوئی حق میرا اس پر ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نہیں!

سو کے مقابلے میں ایک بھی تمھارا حق نہیں ہے۔

اس نے عرض کی:

اس ذات کی قسم جس نے آپ (ص) کو حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا، میں کبھی بھی اپنی گردن کسی مرد کے ہاتھ میں نہیں دوں گی۔

بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نعوذ باللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فانّی لَوْ کُنْتُ آمِراً أَحَداً [أَنْ یَسْجُدَ لغیر الله] أَحَداً لَأَمَرْتُ اَلْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔ والّذی نفس محمد بیده لا تؤدّي المرأة حق ربها حتی تؤدي حقّ زوجها ولو سألها نفسها وهي علی قتب لم تمنعه۔[1]

"اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں۔

---

[1] ترمذی: صحیح: ح: ۱۱۵۹

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کوئی عورت اس وقت تک اللہ کا حق ادا ہی نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔

خواہ اس کا شوہر اس حالت میں اس کے نفس کا مطالبہ کرے چاہے وہ اونٹ کے اوپر سوار بھی کیوں نہ ہو، تب بھی وہ منع نہیں کرے۔"

یہ چند روایتیں ان بہت سی روایتوں میں سے نمونے کے طور پر حاضر خدمت کی ہیں۔ جو زن و شوہر میں شوہر کی انتہائی بالادستی اور اس کے مقابلے میں بیوی کی مکمل بے بسی کے مفاہیم پر مشتمل ہیں۔

کیا، ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ نبی جس کو اللہ جلّ جلالہ نے "رحمۃ للعالمین" کے خطاب سے نوازا ہے اور "انک لعلی خلق عظیم" کے بلند خطاب کا مالک ہے، وہ اس قسم کی گفتگو کر سکتا ہے!!؟؟

ہرگز نہیں۔

یہ سب کچھ اور ایسی بہت سی روایتیں ہمارے جد امجد حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان ہیں۔

انسانی معاشرہ میں نیکی اور احسان کی ہدایت

انسانی معاشرہ میں نیکی اور احسان کی ہدایت

قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے معاشرہ میں ہر ایک سے نیکی اور احسان کا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ خاص طور سے والدین کے بڑھاپے میں ان کے سامنے ادب سے کندھے جھکانے، ان کے ساتھ نیک برتاؤ نیز نرم گفتگو کا حکم:

قرآن مجید میں واضح فرمایا گیا ہے کہ:

وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللَّهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَ ذِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى وَ الْمَسَاكِينِ وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً وَ أَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُعْرِضُونَ۔

(البقرة: ۲: ۸۳)

جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں۔ والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ لوگوں سے اچھی طرح گفتگو کرو، نماز کو قائم کرو اور زکوۃ دو۔ پھر تم میں سے چند کے علاوہ سب اپنے عہد سے پھر گئے اور تم منہ موڑنے والوں میں سے ہو۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَ لاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَ بِذِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى وَ الْمَسَاكِينِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَ الْجَارِ

الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً۔

(النساء: ۴: ۳۶)

اللہ عزوجل کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ والدین، قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، قرابتداروں کے پڑوسیوں، اپنے پڑوسیوں، اپنے پڑوسیوں کے پڑوسیوں، مسافروں اور جو تمہارے تحت تکفل ہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ بے شک اللہ کسی بھی متکبر اور فخر کرنے والے کو اور آکڑنے والے سے محبت نہیں رکھتا۔

وَ قَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَ لاَ تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً.

(الاسراء: ۱۷: ۲۳-۲۴)

اور اللہ عزوجل نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے اور والدین کے ساتھ احسان آمیز سلوک کیا جائے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی منزل تک پہنچ جائیں تو اس وقت ان سے اف تک بھی نہیں کرو اور نہ ہی جھڑک کر بات کرو بلکہ ان دونوں سے کرامت اور نرمی کے ساتھ گفتگو کرو۔ ان کے سامنے رحمت کے ساتھ اپنے کندھے جھکا

دو اور یہ دعا کرو کہ اے رب! ان دونوں پر تو اسی طرح رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپنے میں ہماری پرورش کی تھی۔

ان آیات کریمہ کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ کی عبادت کے بعد سب سے زیادہ احترام والدین کا ہے۔

اور اس میں کہیں بھی شوہر کا ذکر نہیں آیا ہے۔

اس لیے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس طرح یہ بات منسوب کر دی جائے کہ:

اگر اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

اسی طرح سورہ اسراء کی آیات میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ والدین کے بڑھاپے یعنی ضعف و کمزوری کے عالم میں اولاد کو ان کے سامنے رحمت سے سر جھکانے اور نرمی سے بات کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک بھی طاقتور اور بانشاط زندگی کا حامل ہو تو ایسی حالت میں اولاد ان کے زور اور زبردستی کے سامنے اس طرح جھکنے کا پابند نہیں ہے۔ یعنی ماں باپ اگر اولاد کے ساتھ جوانی اور صحت و نشاط کے عالم میں زبردستی ٹھوسا اور ٹھاسی رویہ اختیار کریں تو اولاد ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو

ان کے جبر اور زبردستی سے آزاد کرنے یا محفوظ رکھنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ جلالہ نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی ظلم کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

تو جب قرآن مجید کا مزاج یہ ہے کہ،

اولاد کو والدین کی جوانی اور قدرت کے دور میں والدین کے مظالم کے سامنے جھکنے کو عبادت قرار نہیں دیتا۔ اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ

(العنکبوت: ۲۹: ۸ — ۹)

ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے لیکن اگر وہ اُس پر زبردستی کریں اُسے میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جس کے بارے میں انہیں علم بھی نہ ہو تو ہرگز ان کی اطاعت نہ کرے۔

تمہیں ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے وہاں ہم تمہیں ہر اُس بات سے آگاہ کر دیں گے جو تم کرتے رہے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کریں گے ہم اُن کو نیکوکار لوگوں کے حلقے میں داخل کر دیں گے۔

اس آیۃ کریمہ میں واضح طور پر اولاد کو ماں باپ کی جہالت کے سبب اولاد پر کیئے جانے والے مظالم اور زبردستی کے مقابلہ میں نہ جھکنے اور ان معاملات میں ان کی اطاعت کو اولاد کے لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ اولاد اس طرح کے حالات میں بھی والدین کے احترام اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھے۔

بظاہر اس آیت کریمہ میں جو مثال دی گئی ہے وہ شرک کی ہے لیکن یہ ان تمام معاملات کو اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے جو والدین اللہ جلّ جلالہ کے نام اور سہارے پر اولاد سے زبردستی منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ خود شرک ہی ہے۔ جس طرح اولاد کو والدین اگر اپنی جہالت کے سبب اپنی جاہلانہ خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اللہ کا نام لے کر مجبور کرتے ہیں تو وہ شرک ہی کے زمرے میں آتا ہے۔

بیوی اور شوہر کے درمیان نیک سلوک:

بالکل اسی طرح اگر شوہر، بیوی کو اللہ جلّ جلالہ کے حوالے سے، اس کا نام لے کر اپنی جائز اور ناجائز خواہشات ہی کی نہیں، بلکہ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوستوں کی ناجائز خواہشات کی اطاعت پر مجبور کرے تو یہ بھی شرک ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے ایسے مواقع پر بیوی کو ادب اور قاعدے کے ساتھ شوہر کی اطاعت سے انکار کا حق ہے۔

اولاد تو پھر بھی ماں باپ کے جسم و جان کا حصہ ہے، اولاد پر والدین کے احسانات کا نہ ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے نہ ہی بدلہ دیا جاسکتا ہے۔

بیوی تو ایک آزاد انسان ہے، شوہر پر اس کا کوئی خاص احسان نہیں ہوتا۔ اگر شوہر اس کے نان و نفقہ کو پورا کرتا ہے تو وہ بھی اس کے مقابلہ میں اس کی خاطر بہت سی قربانیاں دیتی ہے۔ اس لیے ایک آزاد فرد کو دوسرے آزاد فرد کی بلا چون وچرا اطاعت کا حکم اللہ جلّ جلالہ کی کرامت اور قرآن حکیم کے مزاج کے خلاف ہے۔

آیہ کریمہ میں "قوامون" پر غور و فکر:

اب ہم اس آیت کریمہ کے بعض اہم کلمات اور ان کے معانی پر گفتگو کرتے ہیں:

سب سے پہلا کلمہ "قوامون" ہے۔

قوامون کا مادہ یا اصل ق۔و۔م، قاف، واؤ۔ میم ہے۔

قوم یا قام، قوما و قیاماً و قومتاً، کھڑا ہونا، سیدھا ہونا، چلتے چلتے رک جانا۔

قوم الامر یا قام الامر، معاملات کو اعتدال پر لانا، متوازن ہونا، سدھر جانا، درست ہو جانا۔

قیام للواجب یا قیام بہ امر، فریضہ کا انجام دینا، کسی کام کا انجام دینا یا کسی کام کی ذمہ داری سنبھالنا۔

قیام علی الامر، کسی کام میں پابندی اور ذمہ داری کے ساتھ مشغول ہونا۔

قیام للامر، کسی کام کو سنبھال لینا، اٹھ کھڑا ہونا، تیار ہو جانا۔

قوام علی اہلہ، اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنا، اہل و عیال کی کفالت کرنا، اہل و عیال کا خرچہ اٹھانا۔

"اقام الشیء" کسی چیز یا کسی شخص کی بات رکھنا کسی چیز کو اس کے تمام حقوق اور حدود کے ساتھ دیکھ بھال اور حفاظت کرنا۔

"القوام" اعتدال، انسان کے قد و قامت اور ڈیل ڈول کی خوبصورتی اور اعتدال۔

قوام، کسی چیز کے وجود اور بقا کا سامان، کسی چیز کے اجزائے ترکیبہ، کسی چیز کے بنیادی عناصر، کسی چیز کی اصل جس پر اُس چیز کی بقا کا انحصار ہو، روزی جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہے۔ قوام، مددگار۔

لغت، استعمال اور محاورے میں کہیں بھی قوام کے معانی حاکم اور سرپرست کے نہیں ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں "قوام" کے اتنے بہت سے معانی میں جو ہم نے ابھی بیان کئے ہیں سب سے بہتر معانی جو سمجھ میں آتے اور سمجھائے جا سکتے ہیں وہ مددگار اور معاون کے ہیں۔

"ألرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ"

(النساء: ۴: ۳۴)

یعنی:

"مرد اپنی بیویوں کے مددگار اور معاون ہیں ان کی عزت اور تکریم کے پشت پناہ اور محافظ ہیں نیز ان کے معاملات کے ذمہ دار ہیں"۔

"بما فضل الله بعضهم على بعض"

(النساء: ۴: ۳۴)

اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے بیان کیے ہیں، ان میں ایک وہ فضیلت ہے (جو کسی اعتبار سے کسی ایک فرد کو دوسرے پر ہو) بعض کو بعض پر دی ہے۔

دوسری فضیلت مالی اور معاشرتی طور پر بیوی کے ضروریات کی تکمیل و حمایت ہے۔

اس آیت کریمہ کے ان کلمات سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ مرد کو جو بیویوں کے مددگار اور معاون اور محافظ اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اس میں دو نکتے بیان ہوئے ہیں:

ا۔ پہلے یہ کہ وہ کسی بنیادی صفت جیسے تقوی، ایمان، علم، اخلاق، کرامت، شرافت، حلم، سخاوت، عفو و درگذر وغیرہ میں اپنی بیویوں پر فضیلت رکھتے ہوں۔ کیونکہ یہ فضیلتیں اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے ہیں۔

اس نکتہ پر ہم آگے چل کر "زن و مرد میں قیمومیت کا معیار، مشروط ہے، غیر مشروط نہیں" کے عنوان کے ذیل میں بات کریں گے۔ یہاں ہمیں یہ بات کرنا ہے کہ:

عموماً، "فضل اللہ بعضہم علی بعض" کے ذیل میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۸ کے تین کلمات کو سیاق و سباق سے الگ کرکے گفتگو کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ:

یہاں جو "للرجال علیھن درجۃ" آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ:

اللہ عزّوجل نے تخلیقی طور پر مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت دی ہے۔

یعنی:

ان کلمات میں یہی پیغام دیا گیا ہے اللہ عزوجل نے بنیادی طور پر، مرد وزن کو اسی طرح خلق کیا ہے کہ:

مرد ہمیشہ عورت سے ایک درجہ برتر ہے۔

زن و شوہر کی تخلیق:

یہ مفہوم ہماری نظر میں پہلے مرحلہ پر تو قرآن حکیم کے اس اصول کے خلاف ہے جو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(الحجرات: ۴۹: ۱۳)

اس آیہ کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ، تمام انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ:

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم نے تمہیں مرد وزن سے پیدا کیا ہے اور تمہاری باہمی پہچان کے لئے خاندان اور قبیلے بنائے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی ایک دوسرے کی کرامت اور عزت کا سبب نہیں ہے۔ یعنی نہ مرد کو عورت پر کوئی فضیلت ہے نہ ہی کسی خاندان یا قبیلہ کو کسی دوسرے خاندان اور قبیلہ پر کوئی فضیلت و کرامت ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک کرامت و فضیلت کا معیار فقط اور فقط تقویٰ یعنی ہر حال میں اللہ جلّ جلالہ کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہے۔ بے شک اللہ جلّ جلالہ تمام گہرائیوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

کیونکہ اس آیت کریمہ میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ فضیلت کا معیار خاندان اور جنس نہیں ہے بلکہ فضیلت کا معیار تقویٰ اور صفات متقین ہیں۔

دوسرے یہ کہ خداوند عالم نے قرآن حکیم میں جہاں بھی حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا تذکرہ کیا ہے، وہاں حضرت حوا علیہا الصلوۃ والسلام کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔ قرآن حکیم میں کہیں بھی اللہ عزّ وجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تنہا خطاب نہیں کیا۔ جہاں اللہ جلّ جلالہ نے انہیں خطاب فرمایا ہے، وہاں آدم و حوا علیہما السلام دونوں کو مخاطب کیا ہے یا دونوں کا نام لیا ہے یا تثنیہ کی ضمیر استعمال کی ہے۔

ہمارے تفکر وتدبر کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ:

قرآن حکیم میں جہاں بھی فرشتوں کے لیے سجدہ کا حکم آیا ہے وہاں بشریت کو سجدہ کرنے کا حکم آیا ہے۔ آدم سے بشریت یا آدمیت یا انسانیت بحیثیت اکائی کے بیان ہوئی ہے۔ بشریت میں مرد وزن دونوں شامل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں دو مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

پہلا مقام وہ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

(الحجر: ۱۵: ۲۷-۲۸)

اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں بشر کو خلق کر رہا ہوں ایک ایسی شیء سے جو گرج دار (رعب و دبدبہ والی) ہے اور وہ بہت زیادہ متحرک و فعال اور پختہ سیرت، طریقہ اور ضابطہ کی پابند یا حامل ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

(ص: ۳۸: ۷۱ — ۷۲)

اور جب اللہ نے ملائکہ سے کہا:

میں جوہرِ حیات سے ایک بشریت کی تشکیل دے رہا ہوں تو جب میں اُس کو اچھی طرح نکھار دُوں اور اُس کو اپنی بہترین صفتوں کا آئینہ بنا دوں تو پھر ہمیشہ اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے رہنا۔

اس لئے جب سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

کہ میں نے آدمیت کو تمام حقائق گہرائیوں کا علم دے دیا۔ اسے یہ طاقت دے دی کہ اپنے علم کے ذریعہ نئی باتوں کو دریافت کرکے اپنے علم کو بڑھا سکے۔

وہاں، آدم سے حضرت آدم کی شخصیت نہیں بلکہ پوری آدمیت اور انسانیت و بشریت مراد ہے یعنی خدواند عالم یہاں یہ فرمارہا ہے ہم نے جس بشریت کو بہترین طریقے پر استوار کرکے اپنی بہترین صفتوں پر مزین کیا اُس مجموعہ بشریت کو ہم نے تمام حقائق کی گہرائیوں کا علم دے دیا۔

ہماری اس بات کی دلیل یہ ہے آگے چل کر جہاں ایک خاص مقام پر جنت میں ٹھہرنے کا بیان کیا ہے۔ شخص آدم کو جنت میں بھیجنے کی بات آتی ہے وہاں پر ایک دم سے آیت کا لہجہ بدل جاتا ہے حالانکہ وہ آیت اسی تسلسل میں ہے۔

چنانچہ اسی آیت کے تسلسل میں آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اے آدم تم اور تمہاری اہلیہ دونوں جنت میں سکون کی زندگی گزارو۔

پھر مزید آگے بڑھ اِسی تسلسل میں جب آدم کا نام لیا ہے تو وہ آدمیت اور انسانیت ہی کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(البقرہ: ۲: ۳۷)

توانسانیت کواُس کے رب کی طرف سے کچھ ایسے کلمات عطا کئے گئے جن کے سبب وہ اللہ کی بارگاہ میں لپک آئے اور اللہ اپنی طرف لپکنے والوں پر اپنی جانب رحم کرنے والا ہے۔

کیونکہ اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(البقرہ: ۲: ۳۸)

ہم نے ان سے کہا تم سب کے سب اپنی منزل پر اتر جاؤ۔ اب جب تم میں سے کسی کے پاس ہدایت آئے، اور اگر وہ ہدایت قبول کرلے تو کوئی خوف حزن ملال اس کا رخ نہیں کرکے رہے گا۔

یہاں پر تثنیہ کے بجائے جمع کا صیغہ اسی لئے آیا ہے کہ اس سے تمام عالم انسانیت مجموعہ بشریت اور مجموعہ آدمیت مراد ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّـهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

(النساء: ۴: ۱)

یہاں تمام عالم انسانیت کو مخاطب فرماتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالی ارشاد فرماتا ہے:

اے انسانو! اپنے اُس رب سے محبت کرو اور ہمیشہ اُس کو اپنے تمام معاملات میں حاضر و ناظر سمجھو جس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ پھر اُسی نفس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر اُن دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں۔ اس لئے ہمیشہ اُس اللہ کو مد نظر رکھو جس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ نیز تمام رشتہ داریوں روابط اور تعلقات کا احترام کرو۔ بیشک اللہ تمہاری نگرانی کرتا رہتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ

(انعام: ۶: ۹۸)

وہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس، جان، روح سے پیدا کیا پھر تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور سر بلندی کے بعد اپنے مقام تک پہنچے کی

جگہ مقرر کی اور اس طرح ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اپنی باتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(الاعراف: ۷: ۱۸۹)

وہی ذات ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اُسی سے تمہارا جوڑا بھی بنا دیا تاکہ تم اس کے ذریعہ سکون حاصل کر سکو۔

تمہیں ایک ہی نفس سے خلق کیا گیا۔ اُسی سے تمہارا جوڑا بنایا۔ ان تمام آیات میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ حوا کی تخلیق آدم کی پسلی سے ہوئی۔ بلکہ یہ تمام آیتیں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ مفہوم بیان کر رہی ہیں کہ: حوا، آدم کے دل و جان کا ٹکڑا۔ انہی کے خمیر و خلقت پر ان کے پورے وجود کا حصہ ہیں۔ اس لیے ہم اس سلسلہ میں ان تمام روایات کو جو مسلمانوں کے کسی بھی محدث کے کسی بھی سلسلہ سند کے ساتھ کسی بھی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں نقل کی ہو ل ان کو دین دشمنوں اور خدا نا شناس لوگوں کی من گھڑت اور اللہ و رسول پر بُہتان تراشی ہی سمجھتے ہیں۔

ہماری نظر میں جب مسلمان اس قسم کے روایات کو نقل کرتے ہیں تو روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان روایتوں کے ذریعہ عالم انسانیت، دین اور خدا کے بارے شک اور کفر میں مبتلا ہونے کا سبب بنے۔ تو اس کی باز پرس بہت شدید ہو گی۔ اس سے بہت سخت حساب کتاب

لیا جائے گا۔ اس سے سخت سوال جواب ہو گا۔ اسی قسم کے لوگوں کے لئے ارشاد رب العزت ہے:

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ

(البروج: ۸۵ : ۱۲)

آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

اس مقام پر اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ ہماری نظر میں اس آیہ کریمہ میں جو تہدید آئی ہے، وہ واقعیت نہیں رکھتی۔ یہ دراصل بات کی اہمیت اور اس پر عمل نہ کرنے کے نقصان کی طرف اشارہ ہے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ آخرکار سب بندوں کو بخش کر جنت الرضوان ہی میں بھیج دے گا، لیکن یہی بات کہ اللہ جلّ جلالہ نے اگر کسی عمل سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے، تو اس پر عمل کرنا اللہ جلّ جلالہ کے کسی بھی ایسے بندے کے لیے مناسب نہیں ہے جو اسے اپنا رب مانتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ یہ آیت مومنین کے ذکر کے ساتھ آئی ہے۔ اُن مومنین کے ذکر کے ساتھ آئی ہے جو عمل صالح کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی پکڑ ہم جیسے ان مومنین کے لیے جو اپنے آپ کو نیک اور سچا مومن سمجھتے ہیں اس بات کو سمجھانے کے لئے ہے، کہ ہم اپنے حدود سے تجاوز نہ کریں اور اپنی نفسانی خواہشات کے ذریعہ قرآن کے مفاہیم کی تحریف سے بچیں۔

آیئے ہم اس سے پچھلی آیت پر غور کرتے چلیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ○ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۔

(البروج: ۸۵: ۱۱ ـــ ۱۲)

بے شک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں انہوں نے نیک کام بھی کئے اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (یعنی ان کو بہت ہی پر سکون و شاداب اور مسرتوں سے بھری ہوئی زندگی ملے گی) اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے ہے کہ تمہارے رب کی پکڑ بھی بہت سخت ہے۔

ایک اہم نکتہ:

اگرچہ یہ بات اس مضمون کے موضوع سے باہر ہے لیکن اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا کہ ہماری نظر میں قرآن حکیم میں جہاں دنیوی مثالوں کے ذریعہ اخروی معاملات کو سمجھایا گیا ہے۔ اس کو کیسے سمجھا جائے مثلاً جیسے اس آیت کریمہ میں "جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" کی نوید دی گئی ہے۔ تو اس سے مراد زمینی باغات کے بجائے فکر و عقل، تدبر و تفکر کی شادابی مراد ہے۔ اس جگہ داخل ہونے والا ان افکار سے آزاد ہے جو انسان کو ہمیشہ

پریشان رکھتے ہیں، جس کے سبب وہ نہ تو ایمان کے بلند مراحل تک پہنچ سکتا ہے نہ ہی اس کی عقل و فکر اور تفکر و تدبر آسانی سے ترقی و تکامل کی منزلیں طے کر پاتی ہے۔

جنت میں داخل ہونے والا چونکہ ایک نئی خلقت، ضمیر اور ساخت و بافت کا حامل ہو گا۔ اس لئے وہاں ہر قسم کی پریشانیوں، ملال، حسد، بغض، کینہ وغیرہ سے آزاد ہو گا۔ وہاں اسے ایسا فکری ماحول ملے گا جو اللہ جلّ جلالہ اور اس کے انبیاء و رسل و اہلبیت رسل علیہم السلام کی محبت اور ایمان پر استقامت سے بھرپور ہو گا۔ یہی وہ باغات ہیں جن میں شیرین پانی، دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی۔

زن و مرد میں قیمومیت کا معیار، مشروط ہے
غیر مشروط اور لا محدود نہیں ہے

زن و مرد میں قیمومیت کا معیار، مشروط ہے،

غیر مشروط اور لا محدود نہیں ہے

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴ میں "فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ" کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ خلقت کے اعتبار سے مرد کو عورت پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ یہاں فضیلت سے مراد تقویٰ، اخلاق، علم، کرامت اور اس قسم کے صفات میں کسی مرد کا اپنی بیوی کے " قوام " ہونے کا سبب بن سکتا ہے لیکن اگر شوہر اُن صفات میں سے ایک بھی صفات نہ ہو اور بیوی اُن صفات میں شوہر سے بہتر ہو تو بیوی اُس کی قوام بن جائے گی۔ کیونکہ سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص کسی واقعی فضیلت کا حامل ہوتا ہے وہی کسی دوسرے کی شخصیت کو تقویت دے سکتا یا اُس کے لئے سہارا بن سکتا ہے۔ ورنہ جو شخص کسی فرد پر کوئی واقعی فضیلت نہ رکھتا ہو تو، وہ اس کا سہارا نہیں بن سکتا۔ اُسے تقویت بھی نہیں دے سکتا۔

یہی بات "ما انفقوا" سے سمجھ میں آتی ہے کہ وہی شوہر اپنی بیوی کا معاون ومددگار ہو سکتا جو اتنا کما سکے کہ بیوی کے تمام ضروریات کو پورا کرکے گھر اتنی آمدنی لائے کہ بیوی کو اپنے ضروریات کی تکمیل کے لئے یا اپنے شوہر کی عزت و حفاظت کی خاطر یا اولاد کی تعلیم و تربیت اور روزانہ مخارج یا ان کی تکمیل کے لیے کمانا نہ پڑے۔

ازدواجی زندگی میں قیمومیت کی دو شرطیں ہیں:

گویا یہ آیت کریمہ اس بات کو بہت شفاف انداز میں سمجھا رہی ہے کہ جو انسان یہ چاہتا ہے کہ گھریلو زندگی میں شوہر اور بچوں کے سرپرست اور معاون ومددگار کا کردار یا رول ادا کرکے اس کو کم از کم اپنے زندگی کے اخلاقی اور اقتصادی پہلوؤں میں اتنی محنت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ معاشرے اور گھر میں اپنی بیوی کے مقابلے میں کم از کم ان دو معاملوں میں فوقیت رکھتا ہو:

ا۔ پہلی شرط:

بیوی سے زیادہ متقی، پرہیزگار، بااخلاق، حلیم،بردبار اور رشتہ داریوں کا خیال رکھنے نیز اللہ کی راہ میں کسی خوش آمد پسندی کے سبب نہیں بلکہ فقط اللہ کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتا ہو۔

۲۔ دوسری شرط:

گھر، بیوی بچوں اور سسرال پر خرچ کرنے کے لئے اتنا کمانے کی قدرت رکھتا ہو اور اسے بڑھانا جانتا ہو کہ بیوی کو ان کاموں کے لئے خود نہ کمانا پڑے۔

اگر کوئی زن و شوہر ایسے ہوں کہ اخلاقی طور پر بھی بیوی شوہر کے مقابلے میں سربلند اور معزز ہو نیز اپنے، شوہر، بچوں اور گھر کے مخارج میں بھی اس کا حصہ شوہر سے زیادہ ہو تو شوہر کی "قیمومیت" بیوی کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

اگر ہم آج کے معاشرے کی کیفیت کا مطالعہ کریں تو ہم کو اپنے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے۔ دیہات ہوں یا شہر، ترقی یافتہ ممالک ہوں یا غیر ترقی یافتہ معاشرے یا ممالک، آج تمام تہذیبوں، اگر یہ بات درست نہ بھی ہو تو کم از کم پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش جیسے کا بنیادی طور پر یہی چاہتا یا شاید اس کی تربیت ہی اسی غلط انداز پر کی جاتی ہے کہ جب اس کی شادی ہو تو، اس کی بیوی جہیز میں اس کے گھر کا سارا سامان لے کر آئے۔ اپنے لئے عمر بھر کے لیے زیورات اور کپڑے لے کر آئے۔ اپنے جہیز میں اپنے مرد کے لئے بھی کپڑے لے کر آئے۔ جب وہ اس کی بیوی بن کر آئے تو اس کے تمام خاندان کے اخراجات اور اس کے اپنے گھریلو اخراجات میں معاون و مددگار رہے۔ بھلا اندازہ لگائیں، کتنی گھٹیا بات ہے کہ بیوی کھانے پکانے کے برتن، پانی پینے کے گلاس، چمچے کانٹے، ان کے رکھنے کے لئے الماریاں، سونے کے لئے پلنگ گھرے پڑے، سونے کے کمرے کی تمام ضروریات، حمام اور ٹوائلٹ کی تمام ضروریات، ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم کی تمام ضروریات چاہے گھر چاہے گھر میں جگہ ہو یا نہ ہو، حتی کہ سونے کے کپڑے، حمام کے جوتے، تولیے، غرض گھریلو استعمال کی ہر ایک چیز جہیز میں لے کر آئے۔ اس کے بعد اگر نعوذ باللہ سسرال کا کوئی شخص یا شوہر اس سے ناراض ہو جائے تو مہر اور بری کی چیزیں تو کیا اس کے اپنے جہیز میں لائی ہوئی چیزوں پر قبضہ کر کے ایک کپڑوں میں اسے ہمیشہ کے لئے دربدر کی خاک چھاننے کے لئے گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسے طلاق بھی نہیں دی جاتی کہ وہ ایک آبرومند زندگی گذارنے کے قابل ہو سکے۔

وہ جتنا بھی کما کر لائے شوہر کو وہ کم ہی لگتا ہے۔ عام طور پر خواتین کو سسرال میں یہی طعنے ملتے رہتے ہیں کہ تم جہیز ہی کیا لے کر آئی ہو! تم تو شوہر اور سسرال پر بوجھ ہو!

اب جو شوہر اپنی بیوی کو اپنے لیے بوجھ سمجھتا ہے اور اس کے مخارج کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا وہ کس منہ سے "قیمومیت" کا دعوی دار ہے۔ وہ کیسے اپنے آپ کو یہ جرأت دیتا ہے کہ اپنی اس جھوٹی "قیمومیت" کو خدا پر بہتان باندھ کر بیوی کے لئے ایک سنگین گرز کے طور پر استعمال کرے؟

اللہ جلّ جلالہ نے واضح طور پر یہ فرمادیا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ"

(سورہ نساء: ۴: ۴۰)

اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔

یہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے کہ جو لوگ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں ان کو یہی نصیحت کی جاتی ہے۔ ان کی آبرومندی کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مشکلات اور کمزوریوں میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ ان پر بوجھ نہ بنیں۔ اسی لیے خواتین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ بیوی کی حیثیت سے شوہر پر زیادہ دباؤ نہ ڈالیں۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر سے اپنی بنیادی چیزوں کا مطالبہ نہ کریں یا اگر وہ اپنے شوہر کی بنیادی تکمیل کے لئے شوہر کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں اور بوجھ بانٹ رہی ہیں تب بھی اس سے دب کر رہیں۔ نہ ہی یہ کوئی معقول بات ہے کہ بیوی اپنی ضروریات اپنے شوہر سے مانگے تو اسے ظلم و ستم کا طعنہ ملے۔ وہ دین جس کے پہلے امام علی بن ابیطالب علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا ہے:

كونا لِلظّالِمِ خَصْما وَ لِلْمَظْلومِ عَوْنا[10]

ہمیشہ اور ہر حال میں ظالم کے دشمن

اور

مظلوم کے مددگار بن کر رہو۔

تو دین اور اس کا رہنما کیسے نصیحت کر سکتا ہے کہ:

بیوی شوہر کے ہر ظلم کو عبادت سمجھ کر برداشت کرے۔اس دین کے معاشرہ کی بنیادی عمارت جو بیوی اور شوہر سے تشکیل پاتی ہے۔اسے خاندان کا نام دیا جاتا ہے۔اس کی بنیاد ظلم پر رکھتے ہوئے یہ کہے کہ بیوی کا شوہر کے ہر ظلم و ستم کا برداشت کرنا عبادت ہے!!!۔

کیونکہ اگر بیوی کا شوہر کے ظلم و ستم کو عبادت سمجھ لیا جائے تو اس کا لازمہ یہ قرار پائے گا کہ:

۱. شوہر کا بیوی پر ظلم کرنا بھی عبادت ہے۔
۲. بیوی کا شوہر کا ہر ظلم سہنا جہاد سے بھی افضل عبادت ہے۔

یہ دونوں باتیں اللہ جلّ جلالہ قرآن حکیم، انبیاء و رسل اور اہلبیت علیہم الصلوۃ و السلام کے واضح تعلیمات کے خلاف ہیں۔

اس لیے ہمیں یہ بات کہنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ سورہ نساء کی ۳۴ آیت میں "قیمومیت" کو مرد کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ ازدواجی زندگی میں "قیمومیت" کا

---

[10] نہج البلاغہ: مکتوب ۴۷

معیار مرد و زن ہونے کے بجائے دنیوی اور اخروی نیز اخلاقی اور اقتصادی صفتوں میں سربلندی اور تفوق ہے۔ اس لیے جس جوڑے میں مرد میں یہ صفتیں زیادہ ہوں، وہ اس میں مرد شوہر کی حیثیت سے بیوی کا " قوام " قرار پائے گا۔ اگر یہی صفتیں شوہر سے زیادہ بیوی میں ہوں تو ازدواجی زندگی میں بیوی شوہر کی " قوام " قرار پائے گی۔

قیمومیت کے سلسلہ میں آیۃ اللہ جواد مغنیہ کی تفسیر:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں پر، حضرت آیۃ اللہ جواد مغنیہ کی گفتگو کو اپنے قارئین اور مخاطبین کے حضور نذر کرتے چلیں۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ العلامۃ الفہامۃ المفکر المفسر المدبر الشیخ محمد جواد مغنیہ (۱۳۲۲ھ۔ق - ۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ۔ق) مجدد عصرہ نے اپنی تفسیر میں "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" پر بہت لطیف گفتگو کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "

اللغۃ:

قوامون، جمع قوام علی وزن فعّال: مبالغہ قیام، اس کے معانی ہیں کسی معاملہ کے لیے کھڑے ہونا، کسی معاملہ کی ذمہ داری پوری کرنا۔

" محمد جواد مغنیہ: التفسیر الکاشف: ج ۲: ص ۳۱۳- ۳۱۹۔ در ذیل آیہ مکرمہ ۳۴- ۳۵، سورۃ النساء۔

یہاں، اس سے وہ شخص مراد ہے جو بیوی کے امور کی نگہداشت اور تکمیل کی ذمہ داری پورا کرنے کے لیے کمر کس لے، کھڑا ہو جائے۔ یہ شخص شوہر ہے۔

وقانتات، قانتۃ کی جمع ہے۔اس کے معانی ہیں فرمابرداری،[1]

وحافظات للغیب، جمع حافظۃ، اس سے مراد وہ بیوی ہے جو اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے نفس اور مال کی جو حفاظت ضروری ہے اسے انجام دے۔

نشوز، ارتفاع، زوجین (میاں بیوی) میں سے کسی ایک کا نشوز یعنی زوجیت کے حقوق کی ادائیگی سے پہلو تہی۔

الشقاق، سے مراد وہ اختلاف ہے جو زن و شوہر میں سے کسی کی طرف سے بھی کسی معاملہ میں انجام پائے۔

ایسی صورت میں حکم وہی ہے جو دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کی طاقت رکھتا ہو۔

الاعراب:

بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ، "الباء"، سبب کے لیے۔ "ما" مصدریت کے لئے ہے۔ یعنی "بِتَفْضِيْلِ اللهِ" مجرور اور "قوّامین" سے متعلق ہے۔ "وَبِمَا أَنْفَقُوا" بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ پر معطوف ہے۔ "فَالصَّالِحَاتُ" مبتدا اور" قَانِتَاتٌ" خبر ہے۔" حَافِظَاتٌ" دوسری خبر ہے۔

[1] یہ معانی تعجب آور ہیں!؟ (سید حسین مرتضی)

"بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" میں "ما" مصدریہ ہے۔ "حَفِظَ اللّٰهُ" تقدیر ہے۔ اس کے معانی یہ ہیں کہ " نیک بیوی اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اللہ جلّ جلالہ کے حکم کے مطابق، یا جس طرح اللہ جلّ جلالہ نے اسے حکم دیا ہے اس طرح، تمام معاملات کی حفاظت و نگرانی کرتی ہے۔ [۱۳] اس کی اصل میں ظرف مکان ہے۔ اس کے بعد اللہ جلّ جلالہ، وصال اور فراق کے لیے، اسماء کو بروئے کار لاتا ہے۔

جیسے: "هذا فراق بيني وبينک"۔ یہاں پر "ألشقاق" کا کلمہ دونوں کے درمیان تجویز کے طور پر بیان ہوا ہے۔ کیونکہ "الشقاق" حقیقت میں زن و شوہر ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ نہ کہ ان دونوں کے درمیان۔ اصل کلام یوں ہے: "وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقاً بَيْنَهُمَا"۔ جیسے مکر اللیل، جس کی اصل "مکر فی اللیل" ہے۔

میاں بیوی زندگی کے دو اہم رکن:

ارشادِ رب العزت ہے:

أَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

(النساء: ۴: ۳۴)

[۱۳] یہ بات، شوہر کی عدم موجودگی میں، بیوی کو قیمومیت کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ (سید حسین مرتضی)

مردوں میں اگر دو صفات پائی جائیں تو وہ خواتین کے لیے عزت و کرامت اور شرافت و شوکت کا تاج ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک وہ فضیلت ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جیسے تقویٰ، شرافت، کرامت، جود و سخا۔

دوسری یہ کہ وہ اپنی کمائی سے ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں خوشی، اطمینان اور مسرت حاصل کریں۔

دراصل، مرد و زن زندگی کے دو اہم رکن ہیں۔ یہ بات ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر نہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے نہ استقامت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد و زن کی ساخت و بافت میں ایک خاص قسم کا تفاوت ہے۔۔۔۔۔۔۔

اب ہم جس آیت کریمہ کی تفسیر کر رہے ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

ا۔ مرد، بیویوں کے مددگار و معاون اور ان کے مقاوم و حامی ہیں۔ یہاں "رجال" سے مراد خاص طور سے شوہر ہیں۔ اور "نساء" سے مراد بھی خاص طور سے بیویاں ہیں۔

"قیام" سے یہاں کسی بھی صورت یہ مراد نہیں ہے کہ شوہر کو بیوی پر بلا قید و شرط اور مکمل تسلط ہو، یہاں تک کہ شوہر ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر اور بیوی ایک معمولی ملازمہ بن جائے۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی اپنا ارادہ ہی نہ رہے، نہ ہی اس کو اپنے ہی اوپر کوئی اختیار رہے۔

بلکہ اس سے مراد ہے کہ گھریلو زندگی میں شوہر کو بیوی پر ایک خاص قسم کی اولویت حاصل ہے۔

فقہاء نے اس اولویت اور برتری کی تحدید بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۔ طلاق کا اختیار شوہر کو ہے۔

۲۔ بستر پر اسے شوہر کی اطاعت کرنا چاہیئے۔

ہماری نظر میں طلاق کا حق نہ شوہر کو ہے نہ بیوی کو

بلکہ

اختلاف کی صورت میں حکم یہ ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴿٣٥﴾

(النساء: ۴: ۳۵)

جب تمہیں کسی جوڑے کے درمیان جھگڑے کا خوف ہو تو:

تم ان کے پاس:

ایک حَکَم کو (بااختیار اور سمجھ دار شخص کو فیصلہ کرنے کے لیے) شوہر کی طرف سے

اور

ایک حَکَم کو بیوی کی طرف سے ان دونوں کے پاس بھیجو۔

اگر یہ دونوں مل کر اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ عزّ وجل ان کو کامیابی کی توفیق عنایت فرمائے گا۔

کیونکہ

اللہ عزّ وجل بات کی گہرائی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ واضح طور پر یہ بات بتا رہی ہے کہ اختلاف کے موقع پر فیصلہ کا حق کسی ایک فریق کو نہیں ہے بلکہ خاندان کے ذمہ دار افراد کا فریضہ ہے کہ وہ دونوں خاندانوں سے دو سمجھ دار افراد کو اس مسئلہ کے حل کی ذمہ داری دیں۔

چنانچہ:

اس سے یہ بات ملتی ہے کہ اگر صلح نہ ہو سکے تو یہی دو افراد طلاق کا فیصلہ کریں۔

کیونکہ

یہ بات انصاف کے سراسر خلاف ہے کہ اختلاف کی صورت میں فریقین میں سے کسی ایک کو فیصلہ کا حق دیا جائے۔ کیونکہ کبھی بھی کوئی فریق باہمی اختلافات میں عدالت سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔

اس لیے ہماری نظر میں فتویٰ یہ ہونا چاہیے کہ طلاق کا مسئلہ :

یا خاندان کے محترم افراد حل کریں اور فیصلہ کریں۔

یا

یہ فیصلہ عدالت یا قاضی سے کروایا جائے۔

شوہر کو طلاق کا اختیار دینا یہ نہ صرف یہ کہ

عدل و انصاف کے خلاف ہے بلکہ یہ :

بیویوں پر سراسر ظلم ہے۔

۳۔ گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔"[۱۴]

ان کے علاوہ تمام معاملات میں، بیوی اور شوہر برابر ہیں۔

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے :

"وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ"

(البقرة: ۲: ۲۲۸)

---

[۱۴] ہمیں اور بعض مزید معاصر فقہاء کو علماء سلف و خلف کے تمام تر احترامات کے ساتھ ان تینوں باتوں سے اختلاف ہے۔ (سید حسین مرتضیٰ)

ان کے ساتھ ایسا ہی اچھا برتاؤ ضروری ہے، جیسے اچھے برتاؤ کی ان سے توقع
کی جاتی ہے۔

۲۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیوی پر شوہر کی اس قسم کی قیمومیت کے لئے دو سبب یا شرطیں بیان کی ہیں:

ایک یہ کہ:

بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

(النساء: ۴: ۳۴)

کسی میں کوئی ایسی فضیلت جو اللہ عزّ و جل کی طرف سے عطا ہوئی ہو۔

دوسرے یہ کہ:

وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

(النساء: ۴: ۳۴)

یا اس وجہ سے کہ کوئی دوسرے پر اپنی کمائی سے حاصل کیا ہوا مال خرچ
کرتے ہیں۔

ہم بھی، پہلے ہی سبب یا شرط سے اپنی بات کا آغاز کرتے ہیں۔ یہاں "بعضھم" کی ضمیر مرد و زن دونوں کی طرف برابر سے اشارہ کرتی ہے۔

ضمیر کو باب تغلیب کے طور پر بروئے کار لایا گیا ہے۔ اس میں پہلے "بعض" سے مراد شوہر اور دوسرے "بعض" سے مراد بیویاں ہیں۔[15]

شوہر کی افضیلت کا دوسرا سبب جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس فرمان میں بیان کیا ہے:

وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

اور یہ کہ وہ اپنی کمائی میں

سے بیویوں پر خرچ کریں۔

یہ بھی پہلے سبب یا شرط کی طرح واضح ہے اور اس میں بھی پہلے سبب یا شرط کی طرح کوئی ابہام نہیں ہے۔

سیدھی سی بات ہے کہ جو کسی پر انفاق کرتا ہے وہ اس سے افضل ہو ہی جاتا ہے، جس سے وہ کوئی شے طلب نہ کرے۔[16] حتیٰ کہ خود اپنے اوپر انفاق کیونکہ یہ حامل اور وہ محمول ہے۔

---

[15] ہم اس فضیلت یا افضیلت پر گفتگو کر چکے ہیں۔ (سید حسین مرتضیٰ)

[16] یہاں پر فاضل مکرم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بڑا تسامح ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ عام طور پر کوئی شوہر بغیر کسی مطالبہ اور شرط کے بیوی پر انفاق نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ جتنا انفاق کرتا ہے اس سے زیادہ کا طلبگار ہوتا ہے۔ (سید حسین مرتضیٰ)

اس بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان "وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ" سے اس بات کی طرف ہدایت کی گئی ہے کہ اگر شوہر بیوی پر اس کے شایان شان خرچ نہ کرے تو وہ اس کا " قوام " نہیں ہو سکتا۔

ایسے موقع پر حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ شوہر کو تنبیہ کرے۔ اگر حاکم یہ دیکھے کہ شوہر بیوی پر انفاق کے سلسلہ میں عجز یعنی اقتضای بدحالی یا دشمنی کے سبب کوتاہی کر رہا ہے تو وہ طلاق کا حکم جاری کر دے۔ اگر شوہر طلاق سے انکار کرے تو حاکم خود طلاق جاری کر دے (نہ کہ خلع) کیونکہ حاکم ولی الممتنع ہے۔ یہ ہی امام مالک اور امام شافعی کا فتویٰ ہے۔ یہی بہت سے علماء شیعہ امامیہ کا فتویٰ ہے جن میں بعض اہم فقیہ السید صاحب " عروہ وملحقاتہا" سید محسن الحکیم ہیں۔ ہماری رائے بھی یہی ہے۔

اس انتہائی اہم مسئلہ پر ہم نے اپنی کتاب " فقہ الامام جعفر الصادق علیہ السلام " کی چھٹی جلد میں ایک مستقل فصل میں مفصل گفتگو کی ہے۔ جس کا عنوان ہے:

"طلاق الحاکم لعدم الانفاق"

یہاں ہم نے تمام اقوال اور ادلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آیت اللہ علامہ جواد مغنیہ کی بات یہاں پر ختم ہو گئی ہے۔

اس موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے نکاح، شادی اور مہر کے سلسلہ میں قرآنی تصور کا خلاصہ پیش کریں، پھر گفتگو کو مزید آگے بڑھائیں۔

نکاح، شادی، مہر اور طلاق کا قرآنی تصور

نکاح، شادی، مہر اور طلاق کا قرآنی تصور

نکاح اور شادی:[۱۷]

اللہ تعالیٰ کا رحمتوں، کرامتوں، عزتوں اور انعامات سے بھرپور مسلسل درود و سلام ہو تمام انبیاء، خصوصاً آدم و حوا و ابراہیم و آلِ ابراہیم محمد و آلہ الطاہرین پر، اللہ جل جلالہ کے تمام فرشتوں، صلحاء، علماء، شہداء، مجاہدین نیز رسول و اہلبیت رسول، امام زمانہ اور اللہ جل جلالہ کے ناصروں اور مددگاروں پر۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے پیغام نیز زندہ و متحرک کلام یعنی قرآن حکیم میں نکاح اور شادی بیاہ کو مختلف طبقوں، مزاجوں، اور زبانوں کے انسانوں کے درمیان:

☆ رشتوں، روابط، دوستیوں اور تعلقات کی استواری و برقراری کا سب سے مضبوط سبب۔

نیز،

☆ نسل انسانی کے بڑھانے کا سب سے اچھا، پسندیدہ اور بہتر ذریعہ قرار دیتے ہوئے، ارشاد فرمایا:

---

[۱۷] ہماری یہ مکمل گفتگو قرآنی آیات اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے نکاح کے موقعہ پر بیان فرمائے ہوئے خطبوں کا خلاصہ ہے۔
ملاحظہ فرمایئے: ←
کلینیؒ: الکافی: الفروع من الکافی: کتاب النکاح: باب خطب النکاح۔ ج: ۵: ص: ۸۰۷ سے ۸۱۱ تک۔ طبع: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ – ۲۰۰۸م
اس باب میں نکاح کے خطبے نقل ہوئے ہیں۔ جن میں سے ۴/ حضرت علی علیہ السلام، ۱/ امام حسین علیہ السلام، ۱/ امام جعفر صادق علیہ السلام اور ۲/ امام رضا علیہ السلام کے وہ خطبے ہیں جو ائمہ علیہم السلام نے نکاح کے موقعہ پر دیئے ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۵۴

(الفرقان: ۲۵: ۵۶)

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات اقدس ہے، جس نے بشر کو خاص قسم کے پاک و پاکیزہ اور طاقتور و متحرک پانی سے خلق فرمایا، اس کے لیے خاندان اور سسرال کا انتظام کیا بے شک فقط تمہارا پروردگار بہت قدرت والا ہے۔

نیز فرمایا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(سورۂ نور: ۳۲: ۲۴)

تم لوگ، نیک بیٹوں، نیک بیٹیوں اور ان جوانوں کی شادیاں کراؤ جو بظاہر تمہارے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر وہ اقتصادی طور پر کمزور، بے روزگار یا فقیر و تنگدست ہوں گے تو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں فقر و فاقہ سے نجات دے کر تونگر و بے نیاز کر دے گا، یعنی:

☆اقتصادی طور پر مضبوط کر دے گا۔

☆روزگار کے مواقع فراہم کرے گا۔

اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ وہ ہر بات کا جاننے والا ہے۔

نکاح کرنے اور بہو یا داماد بننے اور بنانے میں اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر نشانیاں ہیں۔ شادی بیاہ میں پیروی واتباع کے لائق رسمیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شادی بیاہ میں :

☆قریب کے رشتہ داروں سے، نیکی کا حکم دیا ہے۔

☆غیروں اور انجانوں سے قربت ورشتہ داری قائم فرمائی ہے۔

اسی لیے،

☆عقل مند لوگ اس میں دلچسپی لیتے ہیں۔

☆مضبوط ارادوں کے مالک، مہم جو' جوان اور نیک نوجوان اس میں جلدی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ قریب وہ ہے، جو:

☆اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرے۔

☆اللہ تعالیٰ کے فرمان کو نافذ کرے۔

☆اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قانون پر گامزن ہو، نیز،

☆اللہ تعالیٰ کی جزا اور انعام کا اُمیدوار رہے۔

نکاح اور شادی، ایک ایسی عبادت ہے جو واجب نہیں ہے۔ یہ ایک مستحب عبادت ہے اس کے باوجود اسے اسلام کا اہم رکن اور بہترین عبادت کہا گیا ہے۔

نکاح اسلام کا عظیم رکن ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی پسندیدہ سنت ہے۔

در حقیقت یہ انسانیت کے تکامل اور انسانی معاشرہ کی ترقی واستحکام کے اعلیٰ مراحل میں شرکت کے عزم کا اظہار ہے۔ نکاح سے نوجوانوں کی نئی اور قابلِ قدر ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔

نکاح اور شادی بیاہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ جل جلالہ کے دو بندے ہی نہیں بلکہ دو خاندان اللہ جل جلالہ کی خوشنودی، اطاعت، عبادت اور نصرت کی خاطر اپنے وجود کے تمام روحانی، عقلی اور جسمانی اعضاء و جوارح کے ساتھ ایک جان اور ایک قالب ہو کر اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ جل جلالہ نے اس عبادت کا تعارف ان نورانی کلمات سے فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

(روم: ۳۰: ۲۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں میں سے ایک بڑی نعمت اور نشانی یہ ہے کہ:

ہم نے تمہارے ہی دل و جگر، جسم و جان اور قلب و روح سے تمہیں ایک دوسرے کا جوڑا اور ساتھی بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر سکون حاصل کرو۔

پھر ہم ہی نے تمہارے دلوں میں باہمی محبت اور پر خلوص عشق یعنی مودت پیدا کر دی۔

یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ہماری نشانیاں ہیں۔

بنیادی طور پر غور و فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ شادی بشریت کی زندگی کی بہترین عبادت ہے۔

شادی کے ذریعہ بشر، جو اللہ تعالیٰ کے بہترین مخلوقات میں سے ایک اہم مخلوق ہے اور جو کائنات پر اللہ جل شانہ کا خلیفہ ہے، بشریت کی تخلیق و تربیت اور نشو و نما میں اللہ تعالیٰ کا مددگار اور معاون بن جاتا ہے۔

ایسا ناصر و معاون و مددگار جس کے لئے اللہ جل جلالہ سورۂ محمد کی ساتویں نورانی آیت میں مومنوں کو اپنی نصرت و مدد کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللہَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

(محمد: ۴۷: ۷)

اے صاحبانِ ایمان !

اب جب تم اللہ جل شانہ کی نصرت اور مدد کروگے، تو اس کے بعد اللہ جل جلالہ بھی تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثبات قدم اور استقامت عطا فرمائے گا۔

نکاح دراصل، دوخاندانوں کی ایک دوسرے کی مشکلوں میں شرکت کا نام ہے۔ نکاح سے دوافراد نہیں دو خاندانوں کے درمیان ایک دوسرے کی ترقی اور تکامل میں تعاون کاآغاز ہوتا ہے۔اس موقعہ پر اسلام کامدعااور اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ :

یہ دونوں جوان اور ان کے خاندان کے لوگ زندگی کی دوڑ اور معاشرہ کے تکامل میں درپیش مشکلات و مسائل میں ایک دوسرے کے مددگار و معاون بنیں۔

مل جل کر انسانیت کے تکامل اور انسانی معاشرہ کی ترقی کے سنگین فریضہ کو ادا کریں۔

نکاح، اللہ جل جلالہ کی ایک سنگین، وزنی اور بھاری بھر کم عبادت اور انسانی فریضہ ہے۔

اس عبادت کا حسن یہ ہے کہ:

ا۔اس کی ابتدا ہے، انتہااور اختتام نہیں ہے۔

یہاں تک کہ اگراس عبادت میں شریک افراد میں سے کوئی یا کچھ لوگ دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف بھی چلے جاتے ہیں تو وہ سب کے ساتھ اس عبادت میں شریک رہتے ہیں۔اس لئے

یہ عبادت، موت کے بعد بھی جاری و ساری رہتی ہے۔ روزِ قیامت اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی اِنشاء اللہ المستعان جنت الرضوان میں ایک نئی شکل میں جاری و ساری رہے گی۔

حتی کہ اگر طلاق بھی انجام پا جائے تب بھی ساس، سسر، اولاد کے لئے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کے رشتے اتنے وزنی اور سنگین ہوتے ہیں جو مختلف رشتوں کو اس عبادت میں ہمیشہ شریک رکھتے ہیں۔

طلاق اور جدائی کے بعد بھی ان رشتوں کا احترام دونوں کا اخلاقی اور دینی فریضہ ہوتا ہے۔

اب یہ معاشرے کا عیب اور بدقسمتی ہے کہ طلاق کے بعد اولاد پر جھگڑے ہونے لگتے ہیں، نیز ہر قسم کے انسانی روابط کو دفن کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بات قرآن حکیم کے تعلیمات اور انسانی مزاج کے خلاف ہے۔ انسانیت کیلئے جہالت کا ناسور ہے۔

۲۔ جیسے ہی نکاح کے صیغے ادا ہوتے ہیں ویسے ہی دو فرد نہیں، بلکہ دو خاندانوں کے تمام افراد مل جل کر اللہ جل جلالہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ عبادت اتنی گہرائی کی حامل ہوتی ہے کہ ان کا پورا وجود ہر وقت اس عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

اب فقط یہ دونوں دولہا، دلہن اور میاں بیوی ہی نہیں، ان دونوں کے خاندانوں کے افراد ایک جان اور ایک قالب بن کر رہنے کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ یہ ایک اتنی وسیع اور اہم عبادت ہے جو ہر لحہ اجتماعی طور پر مل جل کر ہی انجام دی جاتی ہے۔ یہ عبادت اپنی ادائیگی کے کسی بھی مرحلہ میں تنہا انجام نہیں پاتی۔

۴۔ اس عبادت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دو بندے بھرپور پیار، محبت، تمام تر توانائیوں اور طاقت کے ساتھ کسی بھی طرح کی شرم و حیا اور حجاب کے بغیر اپنے روحانی و عقلی و جسمانی وجود کے تمام حصوں اور تمام تر اعضاء و جوارح کے ساتھ مل جل کر اس عبادت کو انجام دیتے ہیں۔

۵۔ یہ عبادت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وزنی سے وزنی تر اور بھاری سے بھرکم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ عبادت زندگی کی دوسری تمام عبادتوں میں اس میں شریک تمام لوگوں کی تمام عبادتوں کے اجر و ثواب کو نامعلوم حد تک ضرب دے کر بڑھاتی رہتی ہے۔ ان کی قبولیت کی ضمانت دیتی ہے۔ اس عبادت میں میاں، بیوی اور ان دونوں کے خاندان آپس میں محبت، خلوص اور رواداری کو جتنا بڑھاتے ہیں، ان کی عبادتوں کا ثواب اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔

۶۔ اس عبادت میں صالح اولاد کی پیدائش و تربیت، نیز دونوں خاندانوں کی ذمہ داریوں کا سنبھالنا اللہ جل جلالہ کی نصرت و مدد قرار پاتا ہے جو اس عبادت کے وزن کو بڑھا دیتا ہے۔

۷۔ دینی اور دنیاوی امور کی انجام دہی، رشتوں اور تعلقات کو نباہنا اور مضبوط کرنا، اس عبادت کا لازمی حصہ ہے۔ گویا انسانی زندگی کا کوئی حصہ اس عبادت کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ اس میں نہ تو ہر لمحہ اخلاص کی ضرورت ہے، نہ ہی کوئی چیز اسے باطل کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ دین و دنیا کی تمام اور ہر قسم کی لذتوں سے محظوظ اور لطف اندوز ہونا، اس عبادت کا لازمی رکن ہے۔

۸۔ اس عبادت کے دوران دولہا دلہن، میاں بیوی اور ان دونوں کے خاندانوں کے تمام افراد کو ایک دوسرے کے چھپے ہوئے رازوں، برائیوں اور اچھائیوں کا علم ہو جاتا ہے۔ درمیانی پردے ہٹ جاتے ہیں۔

اس لئے انہیں وفاداری، محبت، امانت داری اور مضبوطی کے ساتھ آپس کے تمام رازوں اور برائیوں کی پردہ پوشی اور حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑی دینی اور معاشرتی ذمہ داری ہے۔

ان اسرار و رموز، اچھائیوں اور برائیوں کو اپنے قریبی عزیزوں، والدین اور اولاد تک سے چھپانا اور ان کی دسترس سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ ان باہمی نقائص، کمزوریوں، عیوب اور گناہوں کو چھپانا، ان کی حفاظت اور پردہ پوشی کرنا، نیز ان کو محبت اور مودت کے ساتھ برداشت کرنا، اس عبادت کا ایک اہم رکن ہے۔

طلاق ایک اخلاقی اور معاشرتی مسئلہ ہے

طلاق ایک اخلاقی اور معاشرتی مسئلہ ہے

ہمارے قرآنی مطالعہ اور فہم کے مطابق قرآن حکیم نے طلاق کو ایک اخلاقی اور معاشرتی مسئلہ کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس میں شرعی لحاظ سے کوئی مداخلت نہیں کی ہے۔

ہماری نظر میں اسلام رحمت و عطوفت، عشق و محبت اور عفو درگذر کی ہدایت دیتا ہے۔

لیکن ہم نے معاشرہ کو حقوق کے نام پر ایک دوسرے کے ساتھ دست بہ گریبان رہنے ہی کو عبادت قرار دے کر اسلام اور اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

اس لئے ہمارا نظریہ، یہ ہے کہ ہر اختلاف کے موقعہ پر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ:

- کون زیادہ ضرورتمند ہے؟
- طلاق کے بعد کون اپنے معاملات کو سنبھالنے کی طاقت رکھتا ہے؟
- کون طلاق کے بعد اپنے معاملات کو سنبھالنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے؟

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے قاضی کو فیصلہ کرنے کا حق ہوتا ہے کہ:

- اگر، مرد دولتمند اور صاحب حیثیت ہو تو اس کی ذمہ داری معین کرے کہ وہ مطلقہ کو اس قدر رقم دے کہ وہ مستقل طور پر اپنی زندگی بسر کر سکے۔
- مرد اس قابل نہیں ہے کہ وہ مطلقہ کو اس طرح رخصت کر سکے کہ وہ مستقل زندگی بسر کرنے کا انتظام کرنے کے قابل ہو جائے۔
- اگر وہ یہ دیکھے کہ دونوں ہی طلاق کے بعد بے یار و مددگار ہو جائیں گے تو:

- یا تو کوشش کرے کہ ان کو مل جل کر رہنے کی ترغیب دے۔
- ورنہ طلاق کی صورت میں حکومت کی ذمہ داری معین کرے کہ وہ ان دونوں کی اس طرح حمایت کرے کہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خود کفیل ہو جائیں۔

اس کے علاوہ ہماری نظر میں شریعت نے شوہر کو طلاق کا حق ہر گز نہیں دیا ہے۔

بلکہ ہدایت یہ کی گئی ہے کہ جیسے ہی خاندان والے محسوس کریں کہ ان کے خاندان کا کوئی جوڑا آپس کے اختلافات میں بہت زیادہ الجھ رہا ہے اور اس میں جدائی کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے ہیں تو دونوں خاندانوں سے کم از کم ایک ایک محترم اور ازدواجی زندگی کے مسائل کو سمجھنے والے اشخاص مل جل کر ان کو اس مشکل میں پھنسنے سے پہلے ہی روکنے اور سنبھالنے کی کوشش کریں اور اگر وہ یہ سمجھ جائیں کہ اب ان میں یہ رشتہ قائم نہیں رہ سکتا تو ان دونوں کو جدا کر دیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ٣٥

(سورۃالنساء : ۴: ۳۵)

یہاں بھی آپ اللہ عزوجل کی ہدایت کی باریکی ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں، یہ نہیں فرمارہا ہے کہ وہ طلاق جاری کریں دیں بلکہ فرمایا جارہا کہ اگر یہ دونوں اس جوڑے میں پورے خلوص اور ہمت کے ساتھ صلح صفائی برقرار رکھنے کی کوشش فرمائینگے تو اللہ عزوجل اس کار خیر میں ان کو کامیابی مرحمت فرمائے گا۔

اس لئے ہماری نظر میں شوہر کو طلاق کا حق حاصل نہیں ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر یہ اختلاف ایسا ہو کہ یہ دونوں افراد شوہر کی طرف سے طلاق جاری کریں تو یہ دو دفعہ رجوع کے قابل ہو گی اور تیسری مرتبہ بائن ہو جائے گی۔

لیکن اگر یہ طلاق بیوی کی طرف سے جاری کی جائے تو یہ پہلی اور آخری طلاق اور طلاق بائن کہلائے گی۔

عقدِ لازم:

فقہاءِ اسلام نے عقد نکاح کے وقت لازم قرار دیا ہے۔ عقد لازم کا مطلب یہ ہے کہ اس عقد کے دوران جو شرائط رکھی جائیں ان پر عمل واجب ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے غور کریں۔ عقد نکاح کا اتنا لازم حصہ ہے کہ اس کے بغیر نکاح انجام ہی نہیں پا سکتا۔ تو اب مہر ہر حال میں شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہر اپنی دلہن کو ہر حال میں ادا کرے۔ اس میں جو مہر معاف کرنے کی رسم چل پڑی ہے اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ عقدِ نکاح کے انجام پاتے ہی دلہن مہر کی مالک قرار پا جاتی ہے۔ اگر بفرضِ محال بیوی مہر معاف بھی کر دے، تب بھی وہ اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس آیت کریمہ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم اپنی بیوی کو اونٹوں کی قطار بھر کے سونا بھی دے دو تو طلاق کے وقت اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ اس دینے سے مراد اس کے ہاتھ میں دے دینا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قول و قرار تمہارے درمیان ہو چکے ہیں۔ تم اس سے زبانی طور پر کہہ چکے ہو وہ سب اس کو دے دو۔

یہ آیاتِ کریمہ، شادی بیاہ کے معاملات میں ہمارے معاشرہ میں خواتین کے ساتھ مہر باندھنے سے لے کر طلاق اور طلاق کے بعد تک کی تمام زیادتیوں کی بھرپور نشاندہی بھی کر رہی ہیں اور اس کا حل بھی بیان کر رہی ہیں۔

لیکن ہمارے معاشرے کے ذمہ دار افراد پہلے مرحلہ پر مہر کے تعین میں دلہن اور دلہن والوں پر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر طلاق کے مرحلہ میں اس سے سب کچھ چھنوا کر، اس کو اس ظلم کے مقابلہ میں نہ صرف یہ کہ سہارا نہیں دیتے، بلکہ اس ظلم کرنے والوں کا ساتھ دے کر اللہ جل جلالہ کے حضور مجرم ٹھہرنے کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔

مہر:

مہر کے بارے میں دو بنیادی باتیں قابلِ غور ہیں:

ا۔ یہ کہ مہر کی اہمیت اتنی ہے کہ اگرچہ نکاح ایک مستحب عمل ہے لیکن مہر واجب ہے۔ مہر کا وجوب اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ مہر معاف کروالے گا اور ادا نہیں کرے گا وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے، نعوذ باللہ "زانی" ہے اور یہ مہر اس کے ذمہ ہمیشہ واجب الادا رہے گا۔[۱۸]

ہمارے دور میں جہاں مرد اس انتظار میں رہتے ہیں کہ بیویاں ان کے لئے زندگی کی تمام سہولتیں اپنے گھر سے لے کر آئیں، اور یہی کوشش رہتی ہے کہ بیویاں خدمت گذار بن کر

---

[۱۸] کلینی: الکافی: الفروع من الکافی: ج ۵: ص ۸۰۶: کتاب النکاح: باب من یمھر المھر ولا ینوی قضاء: ط: الامیرۃ بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸م

رہیں۔ بیویوں کے ساتھ شوہروں کا سلوک ایسا ہوتا جارہا ہے کہ بیویوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ طلاق بھی نہیں دیتے، خلع تک کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ نہ صرف یہ کہ مہر دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ بیوی جو جہیز اور تحائف شادی کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لائی ہوتی ہے اس پر بھی غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ علماء بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس صورت حال میں خود علماء اور لڑکی والوں کا فریضہ ہے کہ وہ اتنا قابلِ قدر مہر رکھوائیں کہ مشکل حالات میں لڑکی کم از کم اپنے لئے ایک ایسا گھر تو خرید سکے جس کی چھت کے نیچے وہ اپنی زندگی کے برے لمحوں میں زندگی تو بسر کر سکے۔ گھر گھر کی ٹھوکریں کھانے اور لوگوں کے طعنے سننے سے تو بچ جائے۔

اسی لئے نیک، متقی اور صالح جوان، گراں قدر مہر معین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے ایک عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔

اس گفتگو کی روشنی میں ازدواجی زندگی کے بارے میں مزید گہرائی اور توجہ سے سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہی اسباب ہیں جن کے سبب شادی بیاہ کے ساتھ ہی ہر عبادت کا ثواب کم از کم ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ یہاں ستر (۷۰) کا ہندسہ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ دراصل اس سے مراد لاتعداد اضافہ اور اجر ہے۔

الکافی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل ہوا ہے کہ:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اَللَّهِ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ:

مَنْ تَزَوَّجَ أَحْرَزَ نِصْفَ دِينِهِ

وَفِي حَدِيثٍ آخَرَ

فَلْيَتَّقِ اَللَّهَ فِي اَلنِّصْفِ اَلْآخَرِ أَوِ اَلْبَاقِي[19]

جو نکاح کرلیتا ہے۔اس کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

اب اسے چاہئے کہ وہ دین کے دوسرے آدھے حصہ یا باقی حصہ کے بارے میں اللہ جلّ جلالہ کو حاضر ناظر جان کر اس کی بھی حفاظت کرے۔

اسی سے اس فریضہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔اس کے ساتھ آنے والی ذمہ داریوں کی زیادتی، اہمیت، وسعت اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس سنگین انسانی فریضہ کی ایک اہم کڑی، نیک اور قدرت مند انسانی نسل کی تشکیل ہے۔اس نسل کی صحیح تعلیم وتربیت بھی ان دونوں افراد اور خاندانوں کی مشترک ذمہ داری ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ قرآن حکیم نے خاندان کے بزرگوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے صالح بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کروائیں۔ چنانچہ ان دونوں جوانوں اور ان کے والدین نے اسی عظیم مقصد کے پیش نظر یہ ارادہ کیا ہے۔ دونوں خاندانوں کے بزرگوں نے مل کر ان

[19] کلینی: الکافی، بَابُ كَرَاهِيَةِ الْعُزُوبَةِ: ح: ۵۶۲۶، ص ۴۸۷-ط: الأميرة، بيروت

دونوں کو حیات انسانی کے ارتقاء اور اس عظیم الٰہی عبادت میں ایک دوسرے کا شریک بنانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہ رشتہ جو نکاح کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے:

اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کے طور پر مستحکم ہوتا جاتا ہے۔

دونوں خاندانوں کی اکائی کا پیش خیمہ بنتا ہے، نیز

مستقبل کی نسلوں کی بقاء اور ارتقاء کا ذمہ دار بنتا ہے۔

طلاق:

نکاح، محبت، عشق و الفت کا ایک دائمی رشتہ ہے، جسے اصولی طور پر تاحیات اور بعد ممات بھی قائم و دائم رہنا چاہیئے۔

پھر، جب شوہر اور بیوی بچوں کے ماں باپ بھی بن جائیں اس کے بعد تو کسی طرح اور کسی حالت میں بھی اس رشتہ میں دراڑ نہیں پڑنا چاہیئے۔ خاص طور سے ایسی دراڑ جو اس رشتہ کے ٹوٹنے کا سبب بنے۔

کیونکہ، ماں باپ کی جدائی بچوں پر بہت برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ خواہ وہ بچے دودھ پیتے ہوں، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ حتیٰ کہ اگر وہ خود بیوی بچوں / شوہر بچوں والے ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

ہر حال میں یہ جدائی اولاد پر برے اثرات ڈالتی ہے۔ اس لیے، بشریت، انسانیت، آدمیت اور اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ کم از کم بچوں کے ہونے کے بعد اس موضوع پر سوچنا ہی چھوڑ دیا جائے۔

کیونکہ، نکاح اور شادی فقط دو افراد کے درمیان تعلق کا نام نہیں ہوتا۔ شادی دو خاندانوں کے درمیان تعلق کا نام ہوتا ہے۔

ا۔ میاں بیوی پر ایک دوسرے کے ماں باپ سے نکاح کی حرمت:

شادی کے فوراً بعد، بیوی کے والدین کو شوہر کے والدین کا مرتبہ مل جاتا ہے۔ اس لیے جب کوئی مرد کسی خاتون سے شادی کر لیتا ہے تو اس خاتون کی والدہ اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

بیوی کو طلاق ہونے کے باوجود شوہر اپنی سابقہ بیوی کی ماں سے کسی بھی طرح نکاح نہیں کر سکتا۔

اسی طرح،

شادی کے فوراً بعد شوہر کا والد بیوی کے لیے محرم ہو جاتا ہے۔

میاں بیوی میں طلاق ہونے کے باوجود بیوی اپنے سابق شوہر کے باپ سے کسی صورت میں نکاح نہیں کر سکتی۔

یہ ابدی حرمت کا حکم، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی کے والدین ایک دوسرے کے لیے سگے والدین کے درجہ پر آ جاتے ہیں۔

۲۔ اولاد:

ا۔ طلاق کے بعد ماں اور باپ دونوں اپنے بچوں کے ماں باپ ہی رہتے ہیں۔ نہ باپ کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو ماں سے جدا کرے اور ملنے نہ دے۔ نہ ماں کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو باپ سے جدا کرے اور ملنے نہ دے۔

الف) شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں آیا ہے کہ طلاق کے بعد باپ بچوں کا مالک و مختار ہو جاتا ہے۔

ب) نہ ہی ایسا کوئی حکم آیا ہے کہ ماں ہی بچوں کی مالک و مختار ہو جاتی ہے۔

۲۔ اگر یہ ماں، باپ، کسی دوسرے مرد یا عورت سے شادی کر لیں، تو ان کے وہ بچے جو پہلے والدین سے تعلق رکھتے ہیں، ان سوتیلے ماں یا باپ سے پیدا ہونے والے بچوں کے لئے محرم ہوں گے۔ یہ بچے آپس میں شادیاں نہیں کر سکتے۔

جس طرح سگے بہن بھائی یا رضاعی بہن بھائی آپس میں محرم ہوتے ہیں، آپس میں شادیاں نہیں کر سکتے۔ بالکل وہی حکم سوتیلے بھائی بہنوں کا ہے۔

ج۔ طلاق کے بعد دونوں سے اپنے بچوں کا رشتہ قائم رہتا ہے۔

اس لیے نہ صرف یہ کہ ماں یا باپ کوئی بھی بچوں کو ایک دوسرے سے ملنے سے منع نہیں کر سکتا۔

بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ دونوں بچوں سے باہمی ملاقات کے دوران ان کے ساتھ رہیں، البتہ شرعی حدود کا خیال رکھیں، کیونکہ یہ بات بچوں کی تربیت اور نشو نما پر اچھا اثر ڈالے گی۔

قم میں ہمارے ایک استاد معظم جو مجتہد، علامہ، آیۃ اللہ اور محقق تھے، ان کے فرزند خود بھی مجتہد تھے۔ یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔ ان کے فرزند کی اہلیہ نے ان سے طلاق لے لی تھی۔ تہران میں اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ان کی دو یا تین بیٹیاں تھیں۔ وہ ہر ہفتہ جمعرات کو ان بیٹیوں کو ان کی ماں کے پاس لے جاتے تھے۔ جمعہ کو واپس لے کر آتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد بیٹیاں جوان ہو گئیں۔ ان بیٹیوں کی والدہ، یعنی ان کی سابقہ بیگم کینسر کی مریض ہو گئیں۔ ان کے پاس ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان بچیوں کے والد نے بچیوں کو ان کی والدہ کے پاس چھوڑ دیا۔ کہا کہ تم ان کی تیمارداری کرو۔ وہ خود بھی جمعرات جمعہ کو جا کر تمام شرعی ضوابط کے ساتھ ان کی تیمارداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

یہ واقعہ اس لیے نقل کیا، کہ قارئین اس بات کو سمجھ سکیں کہ طلاق کے بعد دشمنیوں کا پالنا اچھی بات نہیں ہے بلکہ تعلقات کو استوار رکھنا ہی اچھی بات ہے۔

نہ صرف اولاد کے ماں باپ کو آپس میں شرعی حدود کو مد نظر رکھ کر تعلقات کو قائم رکھنا چاہیئے بلکہ دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، خالہ، خالو، پھپھا، پھپھی، ماموں، ممانی کو بھی بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش میں ان کے سلسلہ میں اپنے فریضوں اور کردار کو پیار محبت کے ساتھ ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ ایک انسانی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے۔

اس طرح بچے دھدھیالی اور ننھیالی خاندان سے وابستہ رہ کر اپنی معاشرتی، علمی اور اخلاقی نشو نما میں خلاء اور نفسیاتی بیماری کا شکار نہیں ہو سکیں گے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَإِن عَزَمُواْ ٱلطَّلَٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيم

وَٱلمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓء وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكتُمنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِيٓ أَرحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱليَومِ ٱلأٓخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِن أَرَادُوٓاْ إِصلَٰحا وَلَهُنَّ مِثلُ ٱلَّذِي عَلَيهِنَّ بِٱلمَعرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيهِنَّ دَرَجَة وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

(البقرة: ۲: ۲۲۷-۲۲۸)

اگر تم طلاق کا ارادہ کرتے ہو تو یہ بات اچھی طرح ذہن میں رہے کہ اللہ جلّ جلالہ تمہارے دل میں چھپی ہوئی باتوں تک کو سنتا بھی اور جانتا بھی ہے۔

(گویا اگر تمہارے دل اور نیت میں کوئی کجی، تمہارے اندر کوئی بغض بیوی کو نقصان پہنچانے کی کوئی بات ہے تو اس کو دل سے نکال دو، اچھی طرح سوچ لو کہ تم کیا کرنے جا رہے ہو۔

جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو یاد رکھو تمہیں ان کو تین طہر تک تمہارے ہی گھروں میں رکھنا ہو گا۔ ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر اللہ جلّ جلالہ نے ان کے ارحام میں کوئی امانت خلق فرما دی ہے تو اگر وہ اللہ جلّ جلالہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو اسے چھپائیں نہیں۔

(کیونکہ اگر وہ حاملہ ہیں تو وضعِ حمل تک تم انہیں اپنے گھر سے نکال نہیں سکتے)۔

کیونکہ اس دوران تم (ان کے شوہر) ان سے رجوع کرنے کا حق رکھتے ہو۔

(گویا کم از کم تین مہینے کی مدت اس طرح دی گئی ہے، کہ ایک دوسرا ازدواجی دباؤ اور مشکلات سے آزاد ہو کر جدائی کے مسائل اور اس کے نتیجوں پر غور کرے۔ سکون و اطمینان سے سوچیں۔ پھر وہ اپنی اس غلطی پر پشیمان ہو کر صلح صفا اور پیار محبت کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے اختیار کر لیں۔ اس بلند مقصد کی خاطر ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔ پیار و محبت کے ایک نئے دور کا آغاز کر لیں۔ اپنے اور اپنی آنے والی اولاد کے لیے گھر کو مل جل کر جنت بنا لیں۔

اسی لیے اگر ماں حاملہ ہے تو یہ فرصت تین مہینوں سے بڑھ کر نو مہینے اور پھر رضاعت کے دور کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔)

کیونکہ ان کے شوہر ان کے ساتھ اس سلسلہ میں حالات کو بہتر بنا کر نئی اور خوبصورت زندگی گزارنے کے زیادہ حق دار ہیں۔

زندگی کے تمام حالات میں بیویوں اور شوہروں کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں برابر کے اور ایک ہی جیسے حقوق ہیں۔ (لیکن ان حالات میں جبکہ وہ مطلقہ بھی اور حاملہ بھی) مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے (کیونکہ وہ اس تمہارے رحم میں موجود اولاد کے باپ ہیں، اس لیے اگر انہیں نے طلاق دے بھی دی ہے، اور تم سے اولاد کی خاطر رجوع کرنا چاہتے ہیں تو یہ اس نیکی کے عمل میں ان کو تم سے ایک قدم آگے بڑھ کر عمل کرنے کی اجازت اور حق حاصل ہے (اس لیے اگر وہ رجوع کرنا چاہیں تو تم بھی ماضی کی تلخیاں بھلا کر ان کے ساتھ پیار محبت سے زندگی گزارنے کا عہد نبھانے کی کوشش کرو۔ اللہ جلّ جلالہ عزت و دانائی ہی کا مالک ہے۔

ب): **الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ**

عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

(البقرة: ۲: ۲۲۹)

طلاق دو مرتبہ دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد یا تو نیکی، محبت اور پیار کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات کو اچھی طرح استوار کر لو۔

یا احسان، درگذر اور نیکی و صلح صفائی کے ساتھ جدائی اختیار کر لو۔

جب بھی تم جدائی کا فیصلہ کر لو تو تم جو کچھ اس زندگی میں ان کو دے چکے، ان میں سے ذرہ برابر بھی واپس نہ لینا۔

کیا تم اللہ جلّ جلالہ اپنے اعمال کا نگہبان نہیں سمجھتے کہ تم اپنے ذاتی غصہ، رنجش اور لڑائی کی خاطر) اللہ جلّ جلالہ کی معین کی ہوئی حدوں کو پائمال کرنے کے لیے تیار رہتے ہو!؟

لیکن اگر تم اللہ جلّ جلالہ کی معین کی ہوئی حدوں کا خیال نہیں رکھ سکتے ہو تو تم دونوں جدائی کے وقت ایک دوسرے کے لیے جو فداکاری کرو، اس میں تم دونوں آزاد ہو۔

یہ اللہ جلّ جلالہ کی معین کی ہوئی حدیں ہیں۔ اس لیے تم ان سے تجاوز نہ کرو ان حدوں کو پائمال نہ کرو۔ جو لوگ ان حدوں کا خیال اور احترام نہیں

کرتے اور ان سے تجاوز کرتے ہیں وہ سب کے سب ظالموں کے گروہ میں
شامل ہو جاتے ہیں۔

طلاق خلع:

اس آیتِ کریمہ کے اس جملہ سے فقہاء اسلام میں بیوی کے لیے اس حق کا استفادہ کیا ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہے تو وہ بھی شوہر کو کچھ نہ کچھ دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں "طلاقِ خلع" کہتے ہیں۔

توجہ:

اس مقام پر ہم اپنے قارئین کرام، علماء اعلام، مفکرینِ اسلام اور مصلحینِ امت و بشریت اس بات پر توجہ دیں اور غور فرمائیں کہ:

اللہ جلّ جلالہ نے جو بات ابھی اس آیت سے پہلے اسی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۹ میں بیان فرمائی ہے، اللہ جلّ جلالہ کی نظر میں یہ اتنی اہم ہے کہ اس آیت مبارکہ میں فوراً بعد ہی تکرار فرما رہا ہے۔

پھر اس سے آگے چل کر سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۱ اور ۲۲ میں تیسری مرتبہ بہت زیادہ تاکید کے ساتھ بیان فرما رہا ہے۔

چنانچہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۱)

جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو جیسے ہی ان کی مدت تمام ہو تو، یا تو گذشتہ معاملات کو بھلا کر نیکی یا بھلائی اور محبت کے ساتھ ان کے ساتھ ایک نئ پیار، محبت اور احسان سے بھرپور زندگی کا آغاز کر دو یا بھلائی اور نیکی کے ساتھ بغیر جھگڑے اور کینے کے ان کو اپنی نئ زندگی کو خوشی سے گزارنے کے لیے آزاد چھوڑ دو۔

ان کو زبردستی، اذیت دینے، نقصان پہنچانے اور ان کی زندگی کو برباد کرنے کے لئے لٹکائے نہ رکھو۔

اس طرح تم ان پر ظلم اور زیادتی کروگے۔ اور جو بھی ایسا کرے گا وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا (اور ہمیشہ پچھتاتا رہے گا)۔

دیکھو!

اللہ جلّ جلالہ کی نشانیوں کا مذاق نہ اڑاؤ!

بلکہ:

اللہ جلّ جلالہ نے تم پر نعمتوں کی جو فراوانی اور بوچھاڑ فرمائی ہے اسے ہمیشہ یاد رکھو (اس پر اللہ جلّ جلالہ کا شکرادا کرتے رہو۔ اس کو لوگوں کو جتا جتا کر توجہ دلا کر بتاتے رہو)

اس کے علاوہ:

اللہ جلّ جلالہ نے تم پر جو کتاب اور حکمت و دانائی کی باتیں نازل فرمائی ہیں، ان سے نصیحت حاصل کرو۔

ہر حال میں اللہ جلّ جلالہ کی خوشی کو مد نظر رکھو۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ جلّ جلالہ ہر چیز، ہر کام اور ہر مشکل کو اچھی طرح جانتا ہے۔

توجہ:

ذرا غور فرمایئے کہ ایک مرتبہ پھر اسی نصیحت اور اصولِ زندگی کو دہرایا جارہا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۲)

جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو (یا اپنے بیٹوں، بھائیوں، دوستوں کی بیویوں کو طلاق دلوادو) ان کی عدت کی مدت پوری ہو جائے۔ اس وقت اگر وہ دوسرا شوہر کریں تو ان کے لیے رکاوٹیں نہ کھڑی کرو۔

ان کو بدنام نہ کرو۔

ان کو طعنے نہ دو۔

معاشرے میں ان سے عزت کے ساتھ جینے کا حق نہ چھینو!

اگر کوئی دوسرا مرد ان کے ساتھ اور وہ اس مرد کے ساتھ خوشی اور بھلائی و نیکی کے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کریں تو تم اس میں رکاوٹ نہ بنو (یہ اللہ جلّ جلالہ تم کو نصیحت فرمارہا ہے لیکن ہماری یہ نصیحت صرف ان ہی لوگوں اور ہمارے صرف ان ہی بندوں کے لیے ہے جو اللہ جلّ جلالہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

کیونکہ یہ تمہاری نجی، خاندانی اور معاشرتی زندگی کے تکامل، ترقی اور سکون کا باعث ہے۔

کیونکہ یہ:

تمہاری روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کا سبب بھی ہے۔ معاملات کی جن گہرائیوں، جن سمتوں اور جن ابعاد (Demintions) کو اللہ جلّ جلالہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔

تیسری طلاق:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۰)

اب اگر کوئی مرد تیسری دفعہ طلاق دے دے تو یہ عورت جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی کرکے اس کے ساتھ زندگی نہ گزارے۔ پھر کسی کسی واقعی مشکل کے سبب وہ مرد اسے طلاق نہ دے دے۔

اس وقت ان دونوں کو اختیار ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ جلّ جلالہ کی بنائی حدوں کو پائمال نہیں کریں گے۔ دوبارہ طلاق کی نوبت نہیں آنے دیں گے تو وہ مل جل کر دوبارہ ازدواجی زندگی گزارنے کے فیصلہ پر عمل کر سکتے ہیں۔

یہ اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے مقرر فرمائے ہوئے وہ قانون اور حدیں ہیں جن کو اس نے جان بوجھ، عقل و فہم اور علم و دانش رکھنے والے لوگوں کے لیے شفاف شفاف طور پر اچھی طرح سمجھا کر بیان کر دی ہیں۔

طلاق کے بعد ماؤں کا حق:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۳)

ماؤں کا حق ہے کہ وہ:

اگر چاہیں تو طلاق کے بعد مکمل دو سال تک اپنے بچوں کو دودھ پلا سکتی ہیں۔

اور

باپ پر واجب ہے کہ (اگر طلاق بھی دے چکا ہو تو رضاعت کے دو سال) احسان جتائے بغیر پیار محبت اور نیکی کے ساتھ ان کے رہن سہن، کھانے پینے اور اوڑھنے پہننے بچھونے کا انتظام کرے۔

اللہ جلّ جلالہ کسی پر بھی اس کی طاقت اور حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا (اس لیے نہ مرد نہ عورت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کو اپنے لیے بوجھ نہ سمجھیں۔

نہ ہی رنجش اور طلاق کے سبب ایک دوسرے کے لیے بہانے تراش کر بوجھ اور تکلیف کا سبب نہ بنیں۔

اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

نہ ماں پر اس کے بچہ کی خاطر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال کر اسے نقصان پہنچانا درست ہے۔

اور

نہ ہی باپ پر اس کے بچے کی خاطر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال کر اسے نقصان پہنچانا درست ہے۔

اس لیے اگر تم دونوں باہمی رضایت سے یہ چاہو کہ تم (مرد) اپنی اولاد کی رضاعت کی ذمہ داری خود اٹھاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر اس کی وجہ سے ماں کا حق ضایع نہیں ہونا چاہیے۔

اس لیے اس کے حقوق کو پورا کرنے

- (بچہ سے ملنے
- اس سے دور کرنے کے وسائل فراہم کرنے) کے لیے اس کے ساتھ نیکی اور اچھائی کا سلوک کرو (اس کو تکلیف اور اذیت نہ دو)۔

اللہ جلّ جلالہ کو ہمیشہ یاد رکھو۔

نیز:

یہ خیال رکھو کہ:

جو کچھ تم کرتے ہو،

اللہ جلّ جلالہ اس کی گہرائیوں اور اس کے پیچھے نی نیتوں سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۴)

تم میں سے جو لوگ اس دوران انتقال کر جائیں، اور اپنے بعد اپنی بیویوں کو بیوہ چھوڑ کر جائیں۔

تو،

ان کے ورثاء کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں چار مہینہ اور دس دن یا وضعِ حمل کے بعد، ایامِ رضاعت ختم ہونے تک جو بیوہ کی عدت کے ایام ہیں، تک ان کو (اسی گھر میں اسی عزت و کرامت اور نان و نفقہ کے

ساتھ) رکھیں۔ جس طرح عزت و کرامت کے ساتھ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی)۔

جب ان کی عدت پوری ہو جائے تب ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بارے میں نیکی اور بھلائی کے ساتھ جو فیصلہ کرنا چاہیں وہ کریں۔

(شوہر کے ورثاء ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالیں) معاشرہ ان پر طعن و تشنیع نہ کرے)۔

تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ جلّ جلالہ ان کی گہرائیوں اور نیتوں پر اچھی طرح مسلط ہے۔

محبت اور رشتہ دینے کا ادب:

اب یہاں ایک بہت لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی مرد کے لیے کسی خاتون سے اظہارِ محبت اور خواستگاری کرنے کا ادب، تہذیب اور ثقافت کیا ہونا چاہیے ؟۔

خاص طور سے اس خاتون سے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو۔

فرمایا یہ جارہا ہے کہ اگر تم کسی لڑکی یا خاتون سے محبت کرتے ہو اور اس میں دلچسپی رکھتے ہو تو اس کے اظہار میں جلدی نہ کرو۔

بات کو پکنے دو۔ ایسے وقت کا انتظار کرو جب بات کی جائے تو بری نہ لگے۔ معاشرہ اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے تب بات کو آگے بڑھاؤ۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۵)

تمہارے لیے یہ بات نامناسب نہیں ہے جب تم خواتین خصوصاً بیوہ خواتین سے خواستگاری کرو یا، ان کے بارے میں اپنے دل میں محبت کو پرورش کرو۔

اللہ جلّ جلالہ تو یہ جانتا ہے کہ (نزدیونے کے سبب تمہارے دل میں گدگدی ہوگی) تم ان سے محبت کرنے لگو گے۔

لیکن،

اس محبت کا اظہار ان سے چھپ کر (اور تنہائی میں ہرگز نہ کرنا) وعدہ وعید اور عہد و پیمان نہ کرنا۔

البتہ،

تم ان سے ایسی نیک اور اچھی باتیں کر سکتے ہو جو معاشرہ میں تم پر یا ان پر انگلی اٹھانے کا سبب نہ بنیں۔

اس وقت تک ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرنا جب تک کہ ان کی عدت پوری نہ ہو جائے (بات پختہ نہ ہو جائے)۔

یہ بات یاد رکھو کہ:

اللہ جلّ جلالہ تمہارے دل کی گہرائیوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

تو،

ان باتوں سے پرہیز کرو۔

یہ بات یاد رکھو کہ:

اللہ جلّ جلالہ برائیوں کو خوبصورتی سے نیکیوں کا غلاف پہنا دیتا ہے۔

وہ بہت بردبار اور (تمہاری برائیوں کو) برداشت کرنے والا ہے۔

ازدواجی تعلقات کی استواری سے پہلے دی جانے والی طلاق:

ارشاد رب العزت ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

(البقرۃ: ۲: ۲۳۶-۲۳۷)

تمہارے لیے اس بات میں آزادی دی گئی ہے کہ تم اپنی بیویوں کو کسی مشکل یا واقعی سبب کی وجہ سے ان سے ازدواجی رابطہ کرنے یا مہر کے تعین یا ان سے کسی بھی لذت حاصل کرنے سے پہلے طلاق دے دو۔

البتہ ضروری ہے کہ اس صورت میں ان کے ساتھ مناسب اخلاق سے پیش آؤ، انہیں تحفہ اور ہدیہ کے طور پر اپنی مالی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور دو۔

جو صاحبِ حیثیت ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق دے۔

جو تنگ دست ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق دے۔

یہ جو دولت یا کارآمد چیز بھی دے احسان جتا کر اور اذیت کر کے نہ دے۔ یہ سب بھلائی اور نیکی اور اخلاق کے ساتھ دے۔

اگر تم ان سے ازدواجی روابط برگزار کرنے سے پہلے، لیکن مہر معین کرنے کے بعد طلاق دو توان کو اس مہر کا آدھا حصہ ضرور دو۔

البتہ اگر وہ خود یا ان کے سرپرست اسے معاف کر دیں تو پھر تم بھی ان کے ساتھ عفو و درگذر اور اچھائی کا سلوک کرو۔

یہ اللہ جلّ جلالہ کو ہر حال میں مد نظر رکھنے کے بہت قریب اور پسندیدہ ہے۔

اور،

کبھی بھی آپس میں فضل و احسان اور نیکی کے روابط کو نظر انداز نہ کرنا۔

جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ جلّ جلالہ اس کی گہرائیوں اور نیتوں کو جانتا ہے۔

نتیجہ:

قرآن حکیم کی ان تمام آیتوں کے مطالعہ سے ہمیں یہ نتیجہ ملا کہ:

خاندانی اور ازدواجی زندگی میں زن و مرد پر کچھ اخلاقی اور ازدواجی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

ان دونوں کا یہ فریضہ ہے کہ دونوں تمام حالات میں خاندان، گھر، اولاد اور معاشرہ کی ترقی، اس میں اخلاقی فضائل، سخاوت، رحمت، عطوفت، عشق، محبت اور تمام اعلی صفتوں کے فروغ و استحکام کے لیے مل جل کر کوششیں کریں۔

آپس میں خاندان اور معاشرہ کے اختلافات اور جھگڑوں کو بھی تشیح، دشمنی اور طعن و تشنیع کا سبب نہ بننے دیں۔

بلکہ ان معاملات کو بھی اس طرح سلجھا کر حل کریں کہ باہمی روابط، دوستیاں، آمد و رفت اور مضبوط رشتہ داریوں مثلًا ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں وغیرہ جیسے رشتہ دار بہترین طریقہ سے محبت اور پیار کے ساتھ رواں دواں رہیں۔

یہ بات بہت اہم ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اچھے بشر یا انسان کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فریضہ اور اپنے اوپر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کو ہر حال میں بہترین اور محبت والفت سے بھرپور انداز میں بغیر احسان جتائے انجام دیتا رہے۔

اپنے حقوق پر توجہ نہ دے۔

اپنے حقوق کی پائمالی یا نظراندازی پر غور و فکر سے آزاد ہو کر معاشرہ کی سربلندی کی سعی و کوشش میں مصروف رہے۔

طلاق کے موقع پر شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس کا مہر یہ، اس کو خود کے اپنے یا دوسرے رشتہ داروں کی طرف سے دیئے گئے ہدایا میں سے کچھ واپس لے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَ إِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَاراً فَلاَ تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئاً أَ تَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَ إِثْماً مُبِيناً وَ كَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَ قَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَ أَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقاً غَلِيظاً

(النساء: ۴: ۲۰- ۲۱)

اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو، تو اگر تم ان سے ایک کو قنطار

(ایک وزن ہے جو مصر میں چار سو رطل کے برابر ہوا کرتا ہے۔

ہر

رطل جدید وزن میں ۴۰۰ گرام کے برابر ہے۔

اس طرح قنطار 160,000=400 x 400 گرام یعنی 160 کلو (سونے) کو کہتے ہیں۔

اس لئے عرب اصطلاح میں قنطار سے لامحدود مال و دولت و جائیداد مراد لی جاتی ہے)

بھی دے چکے ہو تو اس میں ایک ذرہ برابر بھی واپس نہ لو (کیونکہ یہ کھلا بہتان اور بدترین گناہ ہے)۔

کیا تم یہ سب اس پر بہتان باندھ کر، الزام تراشی کر کے اور گناہ گار بن کر واپس لو گے ! ! ؟

اور

تم، یہ سب کس منہ سے واپس لو گے (یہ بہت گھناؤنا کام ہے)۔

کیونکہ

تم نے ایک دوسرے سے اپنے اپنے رازِ دل کہے ہیں، پیار محبت کا بے محابا اظہار کیا ہے۔ مل جل کر حلال لذتیں اٹھائی ہیں۔

ان بیگمات نے بھی تم سے انتہائی مضبوط عہد و پیمان بندھوائے ہیں۔ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کے تسلسل اور افہام و تفہیم کے ساتھ مشترک اور بھرپور زندگی گزار چکے ہو۔

قرآن حکیم کی نظر میں

زن و مرد برابر ہیں

قرآن حکیم کی نظر میں

زن و مرد برابر ہیں

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ میں اللہ جلّ جلالہ نے واضح طور پر دو ٹوک انداز میں مرد و زن کی برابری کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَ لاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ

وَ لَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَ لَوْ أَعْجَبَتْكُمْ

وَ لاَ تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَ لَعَبْدٌ

مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَ لَوْ أَعْجَبَكُمْ

أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ

وَ اللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ

وَ الْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ

وَ يُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ.

(البقرة: ۲: ۲۲۱)

دیکھو! احتیاط اسی میں ہے کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

یاد رکھو!

بہر حال ایک مومن خاتون مشرک خاتون سے بہتر ہی ہوتی ہے۔ چاہے وہ تمہیں کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگے۔

اسی طرح،

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ مشرک مردوں سے بھی اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

یاد رکھو!

بہر حال ایک مومن مرد، مشرک مرد سے بہتر ہی ہوتا ہے۔ چاہے وہ تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔

یہ سب کے سب مشرک مرد ہوں یا عورتیں، تمہیں جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

اللہ!

اپنے ارادہ سے تمہیں جنّت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

وہ!

اس طرح انسانوں کے لئے اپنی نشانیوں کو صاف صاف بیان کر دیتا ہے۔ تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

جو بھی صاحب فکر و نظر اس آیہ کریمہ پر غور کرے گا اسے اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جائے گی کہ اس آیہ کریمہ میں اللہ جلّ جلالہ نے مرد و زن کو برابری کی سطح پر خطاب کیا اور پہچنوایا ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ:

اس آیتِ کریمہ میں ایک عقلی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جسے فقہ کی زبان میں "ارشاد" کہتے ہیں۔ اس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ یہ حکم نہیں ایک نصیحت ہے۔ گویا ایک مستحب امر ہے، واجب نہیں ہے۔

اس آیہ کریمہ پر غور سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شادی کے سلسلہ میں مرد و زن پر اگر کوئی ممانعت ہے تو دونوں کے لیے ہے۔ اگر کوئی اجازت ہے تب بھی دونوں کے لئے۔ یہ آیت ہمیں یہی بتاتی ہے کہ مرد و عورت دونوں شادی کے سلسلہ میں مذہب وملت و نظر انداز کرکے کسی بھی مذہب وملت کے فرد کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ معاصر فقہاء میں استاد معظم حضرت آیت اللہ علامہ ہادی معرفت اعلی اللہ مقامہ اور حضرت آیت اللہ شیخ یوسف صانعی اعلی اللہ مقامہ اسی بات کے قائل ہیں کہ شادی کے سلسلہ میں مرد و زن دونوں کے لیے دین و مذہب اور قبیلے اور خاندان کا فرق کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔

گویا یہ جو عام طور سے کہا جاتا ہے کہ مومن عورت کو بعض افراد سے نکاح کا حق نہیں جبکہ مردوں کو یہ حق حاصل ہے۔ یہ آیت کریمہ اس تصور کو پوری طرح رد کرتی ہے۔

اللہ جلّ جلالہ، واقعاً صاحبان عقل وخرد اور قرآن حکیم میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے اپنی باتیں اور نشانیاں اتنی وضاحت اور شفافیت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

اس لیے ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

هُدًى وَ ذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔

(غافر: ۴۰: ۵۴)

یہ صاحبان عقل و خرد اور تفکر و تدبر کے لیے ہدایات بھی ہیں اور یاد دہانی بھی۔

قرآن حکیم کی نظر میں ایک اور مقام پر زن وو مرد کی برابری کے بارے میں ارشاد رب العزت ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(نحل: ۱۶: ۹۷)

تم میں سے مرد اور عورت جو بھی نیک عمل کرے اور وہ دل کی گہرائی سے مؤمن ہو تو ہم اس کو بہت پاکیزہ اور ابَدی زندگی دیں گے۔ یقیناً ہم ان سب کو مرد و زن کی تفریق کے بغیر ان کے اعمال کا اجر مرحمت فرمائیں گے جو ان کے اعمال کے مقابلہ میں بہت بہتر اور اچھا ہو گا۔

اس آیتِ کریمہ میں صاف طور پر اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ جل جلالہ کی نظر میں نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں کسی بھی شخص کے ساتھ اس کی جنسیت یعنی مرد یا زن یا نامرد یا نازن ہونے کے سبب کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہر بندہ کے عمل کو خواہ وہ مرد ہو یا زن یا نازن و نامرد اس کی نیت کے خلوص اور ایمان کی پختگی کے مراتب سے تولا جاتا ہے۔ اسے اس کے عمل سے کئی گنا بہتر اجر مرحمت فرمایا جائے گا۔ ان اعمال، ایمان، نیت اور اجر کے نتیجہ میں اس کو ایک ایسی پاکیزہ اور خالص زندگی عنایت فرمائی جائے گی جس میں موت حائل نہیں ہوگی۔ وہ زندگی، پاکیزگی، طہارت، شرافت اور کرامت کے ساتھ تسلسل اور اَبدیّت کی حامل ہوگی۔

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت:

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ

(غافر: ۴۰: ۴۰)

جو بھی بُرا کام کرے گا تو اسے اسی کے مطابق سزا ملے گی۔ لیکن جو نیک کام کرے گا چاہے مرد ہو یا عورت، نامرد ہو یا نازن، لیکن وہ مومن ہو تو ان سب کو کسی امتیاز اور فرق کے بغیر جنت میں اس طرح داخل کیا جائے گا کہ وہاں وہ اللہ عزّ وجل کی نعمتوں سے بے حساب فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی جزاء وسزاء کے معاملہ میں انسان کو کسی جنسی تفریق کے بغیر جزاء وسزاء کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

آیئے ذرا آل عمران کی ان آیات کریمہ پر غور کریں۔ کتنے عظیم مطالب کی حامل ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ

(آل عمران ۳: ۱۹۰ — ۱۹۵)

سچی بات تو یہ ہے کہ بلندیوں اور پستوں کی خلقت میں اور رات اور دن کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل و خرد کے لئے بہت گہری نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں کو وہی عقلاء اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو اٹھتے بیٹھے اور اپنے بستروں

پر کروٹیں لیتے ہوئے غرض ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ بلندیوں اور پستیوں کی خلقت میں اچھی طرح غور و غوض کرتے رہتے ہیں۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اللہ کے حضور یہ اقرار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ حقیقت ہم پر کھل چکی ہے کہ تو نے کوئی بھی چیز باطل اور بغیر سبب کے خلق نہیں کی ہے۔

تو پاک و پاکیزہ ہے، اس لئے ہمیں اپنی ناراضگی کی آگ کے عذاب سے بچا لے۔

اے ہمارے ربّ !

سچی بات تو یہ ہے کہ جس کو تو اپنی ناراضگی کی آگ میں داخل کر دے گا وہ ذلیل ہو جائے گا۔ ظالموں کو کوئی مددگار نہیں ملے گا۔

اے ہمارے رب !

بے شک ہم نے ایک دعوت دینے والے کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سُنا۔

وہ فرمارہا تھا کہ :

اے لوگو تم اپنے ربّ پر ایمان لے آؤ !

تو ہم فوراً ایمان لے آئے۔

تواے ہمارے ربّ !

ہمارے گناہوں سے در گذر فرمااور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے۔ ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ نئی زندگی دے۔

اے ہمارے رب !

ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما دے جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے۔ ہمیں قیامت کے دن رسوانہ فرمانا۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ تو ہرگز وعدہ خلافی نہیں فرماتا ہے۔

ان کے رب نے ان کو یوں جواب دیا:

میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا وہ چاہے کسی بھی جنس سے تعلق رکھتا ہو یعنی مرد ہو یا زن۔ کیونکہ تم ایک دوسرے ہی سے ہو۔ تو جو لوگ ہجرت کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شہروں سے نکال دیا جاتا ہے۔ میری راہ میں انہیں اذیت دی جاتی ہے اور وہ میری راہ میں جنگ کرتے اور قتل ہو جاتے ہیں۔ ضرور بالضرور میں ان کی برائیوں کو نظر انداز کردوں گا اور ہر قیمت پر میں، ان کو ایسے شاندار باغوں میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

یہ اللہ عزّوجل کی طرف سے ان کا انعام اور ثواب ہو گا۔

اللہ عزّ وجل کا انعام اور ثواب سب سے اچھا اور حسین ہے۔

ان آیاتِ کریمہ میں انسان کو کسی بھی جنسی تفریق کے بغیر یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ

دین اور دنیا کے اعلیٰ ترین علوم خواہ

وہ

زمین و آسمان کے متعلق ہوں یا زمین و آسمان کے رہنے والوں سے متعلق ہوں۔ فقہ و تفسیر سے متعلق ہوں یا ملک و معاشرت سے تعلق رکھتے ہوں۔ چاہے وہ کہکشاؤں کی تخلیق یا ستاروں اور سیاروں کی دنیاؤں کے متعلق غور و غوض اور تحقیق و تفحص ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ اگر وہ اللہ پر ایمان اور مخلوق الہی کی بھلائی کی خاطر ان میں کمال پیدا کریں گے تو اللہ ان کو دنیا و آخرت میں اس کا بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

گویا! :

آیتوں کا یہ سلسلہ ہمیں بڑی وضاحت اور شفافیت کے ساتھ یہ بات بتا رہا ہے کہ :

زندگی کے کسی بھی معاملہ میں خواہ وہ خالص عبادتیں جیسے نماز جماعت کی امامت و مرحعیت ،حکومت، قضاوت، یا معاشرتی عبادتوں سے متعلق ہو جیسے تعلیم و تعلم، انسانوں کی سالم تربیت، امتوں کی اصلاح، معاشرہ کے ذمہ دار افراد کی نصیحت یا ملکی اور معاشرتی نظم و نسق کی قیادت۔

اس میں اصل خصوصیت، ایمان، اخلاص اور تعقل وتدبر کی قوتوں کا صحیح استعمال ہے۔

جنس کوئی شرط نہیں ہے۔

مرد ہو یا عورت یا نا مرد و نا زن جو بھی ان لیاقتوں سے بہرہ مند ہو، اپنی ان صلاحیتوں کو ایمان کی پختگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جِلا دے سکے وہ دنیا و آخرت میں ہر عہدہ و کمال کا اہل ہے۔

کیونکہ انسان کا مرد یا زن یا نا مرد و نا زن ہونا اس کے اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ کی دِین ہے۔ اور جس کو اللہ نے جس نعمت سے سرفراز کیا ہے

وہ

اسی نعمت میں سربلند ہے۔ یعنی اگر اللہ نے کسی کو مرد پیدا کیا ہے تو اس کا مرد ہونا ہی اس کے لیے نعمت ہے۔ اگر کسی کو زن یا عورت پیدا کیا ہے تو یہ زن و عورت ہونا ہی اس کے لئے اللہ کا فضل و کرم اور نعمت ہے۔ کسی کو اللہ نے نا مرد و نا زن یا بظاہر کسی اور ایسی صفت کے ساتھ پیدا کیا ہے تو یہ خلقت کا نقص نہیں ہے۔ اس فرد کے لئے یہی کمالِ نعمت ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کے لئے عزت و وقار کا سبب ہے۔ نہ اسے اس بات میں احساس کمتری کا شکار ہونا چاہیے۔ نہ ہی معاشرے کے دوسرے انسانوں کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو مذاق و تمسخر کی نگاہ سے دیکھیں۔ اس کا مذاق اڑائیں یا اسے یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے یا معاشرے کے حقیر انسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ حجرات میں کسی انسان کی ان ہی صفات کا مذاق اڑانے کو غیبت سے تعبیر کرتے ہوئے اسے اتنا گھناؤنا عمل بنایا گیا ہے جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔

حیض کے دوران گھریلو خواتین اور بیویوں

کو گھریلو اور جنسی ذمہ داریوں سے

دور رکھنے کا حکم:

ارشاد رب العزت ہے:

وَ يَسْأَلُونَکَ عَنِ الْمَحِيضِ

قُلْ هُوَ أَذًى

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ

وَ لاَ تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ

حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ۔

(البقرۃ:۲: ۲۲۲)

یہ تم سے حائض کے بارے میں

سوال کرتے ہیں۔

تم ان کو بتا دو

یہ خواتین کے لیے بہت تکلیف دہ

دور ہوتا ہے۔

اس لیے حالت حیض میں گھر کی عورتوں کو خواہ وہ مائیں ہوں، بیویاں ہوں، بیٹیاں ہوں، بہنیں ہوں، خالائیں، ممانیاں، چچیاں ہوں۔ ان پر گھر کے کاموں کی ذمہ داری نہ ڈالو اور ان کو ان ذمہ داریوں سے الگ تھلگ کر دو۔ اور جہاں تک بیویوں کا تعلق ہے تو جب تک وہ حیض سے طاہر نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جانا۔

جب وہ پاک ہو جائیں تو اس طرف سے ہی مقاربت کرنا جدھر سے اللہ جلّ جلالہ نے تمہیں مقاربت کا حکم دیا ہے۔

بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں کو پسند کرتا ہے۔

اب آپ ستم ظریفی دیکھیں اتنی واضح اور دوٹوک آیت کریمہ کے ساتھ مسلمانوں نے کیا بد سلوکی کی ہے۔اس پر کسی کو شرم بھی نہیں آتی۔

آیت کریمہ صاف صاف فرمارہی ہے کہ حالت حیض میں بیویوں کو تنہا چھوڑ دو اور طہر سے پہلے ان سے کسی قسم کی مقاربت نہ کرو، حتی کہ آیت کریمہ یہ بھی فرمارہی ہے کہ حالتِ

حیض میں گھر کی خواتین خواہ وہ مائیں ہوں، بیٹیاں ہوں، بہنیں ہوں، خالائیں ہوں، پھپھیاں ہوں، چچیاں ہوں۔ ان کو گھریلو کاموں سے الگ تھلگ رکھو۔

صرف یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ بیوی کسی بھی صورت میں شوہر کی جنسی تسکین سے انکار کا حق نہیں رکھتی۔ یہ مسائل گھڑ کر مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیئے گئے کہ حالت حیض میں کپڑے کے اوپر سے لذت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہے بے شرمی کی کوئی حد!؟

اس سے زیادہ آیاتِ الٰہی کا اور کیا مذاق اڑایا جا سکتا ہے!؟

پھر اس آیتِ کریمہ میں صریحاً اس بات کا تذکرہ ہے کہ شوہر کو بیوی سے صرف آگے ہی سے مقاربت کی اجازت ہے:

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ

(البقرۃ:۲: ۲۲۲)

پھر فقط اس طرف سے مقاربت کرو جدھر سے اللہ نے تمہیں مقاربت کا حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم کی نظر میں

انسانی معاشرہ میں خواتین کے احترامات

قرآن حکیم کی نظر میں

انسانی معاشرہ میں خواتین کے احترامات

اس کے بعد کی آیت کریمہ انتہائی لطیف نکتہ کی حامل جو نکتہ ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذرا کہ کسی مفسر نے اس پر گفتگو کی ہو۔ یہ ہماری کم علمی ہے۔ بہر حال اس آیت کریمہ کے بارے میں جو فرماتی ہے:

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلاقُوهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ.

(البقرۃ: ۲: ۲۲۳)

تمہاری خواتین تمہارے لئے آخرت کی کھیتیاں ہیں، اس لیے تم اپنی کھیتیوں کی اپنی توانائی اور خواہش کے مطابق اس طرح رکھوالی کرو کہ آخرت کے لئے بارگاہ ربوبیت میں اپنا بویا ہوا کاٹ سکو۔

ہر حال میں اللہ عزّوجل کی خوشی کو پیش نظر رکھو اور یقین رکھو کہ ایک دن تمہیں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہی ہے۔

یہ مومنین کے لیے بہت بڑی خوش خبری ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اس آیت کریمہ کے بارے میں اپنے فہم پر گفتگو کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت آیۃ اللہ محمد جواد مغنیہ قدّس سرّہ الشریف کی گفتگو کو نقل کرتے چلیں جو تقریباً تمام مفسرین اسلامی کے اقوال کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ"

ہم اعراب کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ یہاں "أَنَّى"، کیسے، کب اور کہاں کے معانی میں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال ہیں۔

تمہیں اختیار ہے آگے سے مقاربت کرو یا پیچھے سے۔

اور

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں "أَنَّى"، سے "کیف" مراد ہے۔ یعنی جس طرح چاہے کھڑے، بیٹھے، لیٹے وغیرہ۔

لیکن مفسرین کے ایک گروہ نے جس میں اہل سنت علماء میں صاحب تفسیر المنار اور شیعہ علماء میں صاحب تفسیر بیان السعادۃ میں کہا ہے:

"کھیتی میں آنے کے مفہوم میں، پیچھے سے مقاربت ارادہ الٰہی کے منافی ہے۔ کیونکہ پیچھے سے توالد و تناسل ممکن ہی نہیں ہے"۔ اس کے علاوہ وہ تکلیف جو پیچھے سے کرنے میں ہوتی ہے۔ ہماری رائے بھی یہی ہے۔

پہلے تو اس لیے کہ "حرث" "کھیتی" ہونا صرف آگے ہی سے متحقق ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے۔ دوسرے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

"فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ".

(البقرة: ۲ : ۲۲۳)

یہ آیت کریمہ اس بات کا تعین کرتی ہے کہ یہاں اللہ سبحانہ و تعالی کا ارادہ آگے یعنی "قُبُل" ہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کے مقام پر "حیثُ" کے معانی مکان کے تفسیر کیے ہیں۔[۲۰]

یہ تو علامہ جواد مغنیہ کا بیان تھا۔

اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے ہم کیا سمجھے۔ ہم اس آیت کریمہ سے یہ سمجھے ہیں کہ یہ آیت کریمہ دنیاوی معاملات کے بجائے اخروی معاملات اور مومن کے لیے ذخیرہ آخرت روانہ کرنے کی بات کر رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَ قَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ"

(البقرة: ۲ : ۲۲۳)

اس کلمہ میں کہیں بھی جنسی روابط کی بو نہیں آتی۔ تو

"حَرْثٌ لَكُمْ"

---

[۲۰] آیۃ اللہ محمد جواد مغنیہ :۔۔۔: تفسیر: ج۱: ص ۳۳۶- ۳۳۷، ذیل سورہ بقرہ: ۲ : ۲۲۲- ۲۲۳

میں یہ بو کیسے آسکتی ہے!؟۔

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ

نیز

وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلاَقُوهُ

(البقرۃ: ۲ : ۲۲۳)

دونوں جملوں میں واضح طور پر:

ا۔آخرت

۲۔ہر حال میں اللہ جل جلالہ کو مد نظر رکھنے

اور

۳۔روزِ آخرت اللہ جلّ جلالہ کے حضور حاضری کا ذکر ہے۔

آخر میں

"وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ"

(البقرۃ: ۲ : ۲۲۳)

کس بات کی بشارت ہے؟

جنسی روابط کو بغیر کسی حد و حساب کے انجام دینے کی

یا

جو نیکی یہاں سے آخرت کے لیے روانہ ہو اس کی قبولیت اور اس کے اجر کی؟

ظاہر ہے ان میں سے کوئی بھی بات اس دنیا سے متعلق نہیں بلکہ آخرت ہی سے متعلق ہے۔

ان تمام جملوں کے پس منظر میں جب ہم:

"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ"

(البقرة: ۲ : ۲۲۳)

کے جملہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں شفاف طور پر یہی بات نظر آتی ہے کہ:

یہ بات شوہر اور بیوی سے متعلق نہیں ہے بلکہ معاشرہ کے مردوں اور عورتوں کے بارے میں ہے۔

اس سے کوئی مطلب نہیں کہ ان عورتوں اور مردوں کا آپس میں کوئی رشتہ ہے کہ نہیں؟

گویا اس آیت کریمہ میں انسان کے اس جھول دار معاشرہ کی تنبیہ اور سرزنش بھی ہے اور اصلاح احوال کے نتیجہ میں بشارت بھی ہے، جس معاشرہ میں عورت، ہر لحاظ سے ظلم و ستم کا نشانہ ہی بنتی رہتی ہے۔

۱. جب وہ بیٹی ہوتی ہے تو غیرت کے نام پر مظلوم رہتی ہے۔
۲. جب وہ بہن ہوتی ہے تب بھی غیرت کے نام پر مظلومیت اس کا تاج ہوتا ہے۔

۳. جب وہ بیوی ہوتی ہے۔ اس وقت اسے اپنے جسم و جان پر اپنے تمام اختیارات سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ اب شوہر اس کا مالک و مختار ہو جاتا ہے۔

۴. جب وہ ماں ہوتی ہے تب بھی اولاد ددھیال اور باپ کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے ماں کے تمام تر تقدس کے باوجود وہ خود اپنے گھر اور بچوں کے معاملات میں نہیں بول سکتی ہے۔ کیونکہ وہ خاندان کا حصہ ہی نہیں مانی جاتی۔ وہ ہمیشہ غیر خاندان کی فرد ہی رہتی ہے۔ اس طرح جن قدموں کے نیچے مشہور ہے کہ وہاں اولاد کی جنت ہے۔ وہ قدم ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلائے جاتے رہتے ہیں۔

غرض جھول دار انسانی معاشروں میں جہاں کہیں بھی دیکھیں ہر عنوان سے عورت ظلم و ستم کا شکار ہی رہتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اسی موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ:

یاد رکھو!

"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ"

(البقرۃ: ۲ : ۲۲۳)

تمہارے معاشرہ، ارد گرد، گھر اور خاندان کی خواتین تمہارے لئے آخرت کا سرمایہ ہیں۔ "حرث" کے اردو میں اگر محاوراتی معانی کئے جائیں تو "سرمایہ آخرت" ہی ہوں گے۔

"فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ"

تواب تم اگر اچھے کاشتکار ہو تو تم خود ہی خوب جانتے ہو کہ سرمایہ آخرت یا کھیتی کو کیسے لہلہاتی ہوئی فصلوں یا پھل اور پھول دار درختوں سے شاداب کر کے مزید مفید اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

اس لیے اب جس طرح چاہو:

ا۔ ان خواتین کو عزت و کرامت، وقار واحترام دے کر

۲۔ ان کی ضرورتوں کو ان پر احسان جتائے بغیر پورا کر کے

۳۔ ان کو مختلف معاشرتی ظلم وستم سے نجات دلانے کی کوشش کرو۔ اس طرح،

۴۔ اپنے لیے ذخیرہ آخرت فراہم کرلو۔

کیونکہ بہرحال تمہیں اپنے لئے آخرت میں اللہ جل جلالہ کو منہ دکھانے کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجنا ہی ہے۔

آخرت کے لئے کوئی بھی عمل، معاشرہ کی اصلاح اور تکامل کیلئے کسی بھی کوشش سے بہتر نہیں ہے۔

اس لیے اس طرح کے اعمال "وَ قَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ" پہلے سے اپنے لئے بھیج دو۔

اور،

"وَ اتَّقُوا اللَّهَ"

ہر حال میں اللہ عزّ وجل کو حاضر و ناظر جانو اور اپنے ہر عمل میں اس کی خوشی اور رضا کا خیال رکھو۔

اور،

"وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلاَقُوهُ"

اس بات پر یقین رکھو کہ تمہیں اس کی بارگاہ میں ہر قیمت پر حاضری دینا ہے۔

اور،

"وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ"

سچے اور پاکیزہ کردار کے حامل مومنوں کو بشارت دے دو کہ وہ چونکہ :

۱. اپنے لئے ہمیشہ آخرت کا زادِ راہ بھیجتے رہتے ہیں۔
۲. ہر حال میں اللہ جلّ جلالہ کی خوشی اور اس کے حضور کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔

نیز،

۳. ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ جلّ جلالہ کے حضور حاضری کے لیے تیار رہتے ہیں۔

اس لئے اطمینان رکھیں کہ اللہ جلّ جلالہ کے حضور سرخرو اور شادمان و فرحان حاضر ہوں گے۔ نیز اللہ جلّ جلالہ انہیں بہترین انعامات سے نوازے گا۔

یوں،

یہ آیت کریمہ، انسانی معاشرہ میں خواتین کی حیثیت اور عزت وآبرو کے معاملات پر ناظر و شاہد ہے۔ ہماری نظر میں اس کا انسانی جنسی روابط سے کوئی بھی تعلق اس آیت کریمہ کی توہین ہے۔

گواہی:

قرآنِ حکیم میں گواہی کے سلسلہ میں زن و مرد برابر ہیں

گواہی:

قرآنِ حکیم میں گواہی کے سلسلہ میں زن و مرد برابر ہیں

قرآنِ حکیم میں چند معاملات میں گواہی تجویز ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان معاملات میں گواہی دینا واجب ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان معاملات میں معین افراد سے کم گواہ ہوں تو اس معاملہ پر کوئی شرعی حکم لاگو نہیں ہو سکتا۔

ا۔ گھریلو اور خاندانی خواتین پر تہمت کا حکم:

قرآن حکیم کی نظر میں نہ صرف گواہی میں زن و مرد کی برابری کی ایک مثال یہ ہے جسے ہم اب گفتگو کا موضوع بنا رہے ہیں۔

بلکہ یہ آیتِ کریمہ عفت و کرامت میں خواتین کے سلسلہ میں اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے ایک اہم ہدایت اور سبق بھی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾

(النور: ۲۴: ۴ ـــ ۵)

جو لوگ گھریلو خواتین پر تہمتیں لگاتے ہیں۔

اب:

اگر یہ ان تہمتوں کے ثبوت کے چار گواہ نہ لا سکیں۔

تو؛

ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ

اور

پھر کبھی بھی کسی بھی سلسلہ میں ان کی بات پر اعتبار نہ کرنا (گواہی قبول نہ کرنا)

کیونکہ:

یہ تو فاسق لوگ ہیں۔

مگر یہ کہ:

اس کے بعد بھی اگر یہ توبہ کر لیں،

اور

اپنے کردار کی بھی اصلاح کر لیں۔

تو؛

اللہ جلّ جلالہ،

غلطیوں، عیبوں اور گناہوں کو بہت خوبصورتی سے ڈھانپ دیتا ہے

اور وہ:

رحمت ہی رحمت ہے۔

(اس لیے اب ان کی توبہ قبول ہے اور اگر آئندہ کوئی موقعہ آئے تو ان کی گواہی لی جا سکتی ہے)

۲۔ شوہر کا بیوی پر تہمت لگانے کا حکم:

دوسری اس سے بہت اہم، محکم، واضح اور بہتر مثال یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں زن و مرد کی قسم کو بھی برابری کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہاں عورت کو بیوی کی حیثیت سے مرد کے مقابلہ میں اللہ جلّ جلالہ کی نگاہ میں کرامت و عفت و صداقت کی سند دی گئی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴿٧﴾ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ

الْكَاذِبِينَ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾

(النور: ۲۴: 6 — 9)

جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت باندھتے ہیں تو اگر ان کے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک (مرد) کے لیے یہ ہے کہ وہ:

- چار مرتبہ "باللہ" کہہ کر اللہ جلّ جلالہ کی قسم کھائے کہ:

وہ سچا ہے۔

- پھر پانچویں دفعہ یہ کہے کہ:

اگر وہ جھوٹا ہو تو اللہ جلّ جلالہ کی اس پر لعنت ہو۔

اب اگر بیوی (خاتون) آئندہ بیان کیے جانے والے دستور پر عمل کرلے تو وہ اس تہمت اور اس عمل کے نتیجہ میں آنے والی سزا اور عذاب سے بری ہو جائے گی۔

❖ اگر اس کے جواب میں (بیوی):

- چار مرتبہ "باللہ" کہہ کر اللہ جلّ جلالہ کی قسم کھائے اور کہے کہ:

وہ (شوہر) جھوٹا ہے۔

- پھر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ:

اگر وہ (شوہر) سچا ہو تو اس (بیوی) پر اللہ جلّ جلالہ کا غضب ہو۔

ان آیاتِ مبارکہ کے لہجہ، عبارت، الفاظ اور مفاہیم پر غور فرمائیں تو چند مطالب ہمارے اور آپ کے سامنے واضح ہو جائیں گے:

۱. قرآن حکیم میں اس بات کا تصور ہی نہیں دیا گیا ہے کہ کبھی (بیوی/ خاتون) مرد/ شوہر پر زنا کی تہمت لگائے گی۔

یہ بات قرآن حکیم کی نظر میں خواتین کی عفت، خیالات کی پاکیزگی اور شوہروں کے معایب کی پردہ پوشی کی کریمانہ صفت کی طرف کھلا اشارہ اور واضح بیان ہے۔

اس بیان سے خواتین کی مردوں پر ایک اہم فضیلت کو معین کرکے سمجھایا گیا ہے۔

۲. پھر جب گواہوں کے نہ ہونے کی صورت کا حکم بیان ہوا ہے تو مرد کے لیے چار قسمیں بیان ہوئی ہیں کہ وہ کہے کہ:

"میں سچا ہوں"

اور

پانچویں بات یہ ہے کہ وہ کہے کہ:

"اگر میں جھوٹا ہوں تو:

مجھ پر اللہ جلّ جلالہ کی لعنت ہو"۔

لیکن:

عورت اگر آنے والی ہدایت پر عمل کرلے تو اس پر سے سزا اور عذاب ہٹ جائے گا۔
پھر عورت، خاتون، بیوی کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ بھی چار قسمیں کھائے کہ:
مرد (شوہر) جھوٹا ہے۔
اور
پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ:
اگر مرد (شوہر) سچا ہو تو اللہ جلّ جلالہ اس پر غضب فرمائے۔

اس میں چند اہم نکات سمجھائے گئے ہیں:

۱. زن و مرد، بیوی اور میاں کی قسموں کو برابری کا درجہ دیا گیا ہے۔
۲. مرد کی چار قسموں کا یہ نتیجہ نہیں بیان ہوا ہے کہ اس کی چار قسموں اور ایک لعن سے عورت پر مرد کا الزام سچا ثابت ہو جائے گا۔
اس سے فقط یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر سے جھوٹی گواہی اور الزام تراشی بر طرف ہو جائے گی۔ اسے اس بات کی سزا نہیں ملے گی۔ مگر اس سے اس کا لگایا ہوا الزام سچ ثابت نہیں ہوگا۔
یہ الزام صرف اس صورت میں سچ ثابت ہوگا کہ جس خاتون پر الزام لگایا گیا ہے وہ اس جرم کا اقرار کرلے۔ ورنہ اگر وہ خاتون آئندہ آنے والی ہدایت کے مطابق عمل کرلے تو وہ اس الزام سے بری قرار پائے گی
لیکن
قرآن حکیم کے کلمات میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہوا ہے۔

۳. بیوی، زن یا عورت کی چار قسموں کے بعد اول تو لعنت کا کلمہ نہیں آیا ہے، "غضب" کا کلمہ آیا ہے کیونکہ عورت اللہ جلّ جلالہ کی نظر میں مجرم نہیں ہے بلکہ ملزم ہے۔
اس کا جرم ثابت نہیں ہے بلکہ اس پر تہمت لگائی گئی ہے۔
جبکہ مرد نے بیوی پر تہمت لگائی ہے

اور

وہ اس تہمت کو ثابت نہیں کر سکا ہے۔
تہمت لگانا جرم ہے۔ اس لیے اس صورت حال میں مرد مجرم ہے۔
دوسرے یہ کہ بیوی، زن یا متہم خاتون کی ان چار قسموں اور غضبِ الٰہی کے کلمہ کے سلسلہ میں اس کے بیان سے پہلے ہی یہ بات آئی ہے کہ:
اگر وہ یہ کام کر لے تو اس پر سے تہمت ہٹ جائے گی۔ اس پر سے سزا اور عذاب ہٹا دیا جائے گا۔

ان آیاتِ کریمہ میں یہ بیان شدہ نکتے بہت اہم ہیں۔ جن میں سب سے اہم گواہی یا قسم میں زن و مرد کی برابری کا واضح بیان آیا ہے۔

۳۔ بیویوں پر گھریلو اور خاندانی خواتین کی
بیہودہ یا فحش حرکتوں کے بارے میں
تہمت پر شہادت اور اس شہادت کی موجودگی کے باوجود
ان خواتین کی آبرو کی حفاظت کا حکم:

یہاں پھر کرامتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوا ہے کہ، یہاں بھی خواتین کی عزت و احترام کی خاطر ان کی نازیبا حرکتوں کو فواحش فرمایا گیا ہے۔

اب اس آیۂ کریمہ کو ملاحظہ فرمائیں:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾

(النساء: ۴: ۱۵)

اگر تمہاری بیویاں، گھریلو خواتین کوئی بہت بری بات انجام دیں لیں تو تمہیں اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ لانا ہوں گے۔

اگر یہ چار گواہ ان کے اس عمل کی گواہی دے دیں تو اب تمہارے لیے ضروری ہے کہ:

(اس کے باوجود وہ مجرم نہیں قرار پائیں گی بلکہ ان کے ساتھ عفیف خواتین جیسا ہی سلوک کرنا ہو گا)

تم ان کو اس وقت تک کے لیے اپنے ہی گھروں میں عزت و آبرو کے ساتھ رکھو جب تک:

یا

تو انہیں موت آ جائے

یا

اللہ جلّ جلالہ ان کے لیے کوئی اچھا راستہ نکال دے۔

یہ آیت کرامت و رحمت کے بہت بلند و برتر مفہوم کو بیان فرما رہی ہے۔

وہ یہ کہ:

اگر کسی کو اپنی بیوی یا خاندان کی کسی خاتون پر برے کردار کا شبہ ہو جائے اور اس کے لیے اس کو چار گواہ بھی مل جائیں تو اس کا فریضہ یہ نہیں کہ اسے عدالت میں لے جا کر سزا دلوائے۔

بلکہ؛

اس کا فریضہ یہ ہے کہ اس کے باوجود اسے عفیف اور بے گناہ سمجھے۔ اس کو احترام سے ساتھ اپنے ہی گھر میں رکھے۔

یعنی

کسی کو اس خاتون کو گھر سے نکالنے کا حق نہیں ہے۔ اس کو طعنے دینے، بدنام کرنے اور شرمندہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کو عزت و کرامت کے ساتھ اسی گھر میں اسی شوہر، ان ہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ اس کی بیوی اور گھر کی محترم خاتون ہی کی حیثیت سے رہنا ہوگا۔

اگر وہ:

اس کے ساتھ بیوی، ماں بہن یا گھر کی خاتون جیسا سلوک نہ بھی روا رکھے تو وہ تاحیات اس خاتون کو اپنے گھر میں، گھر کے فرد کی حیثیت سے رکھے۔ اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرے اور اس کے احترام کو پائمال نہ کرے۔

یا

پھر اس کے لیے اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے کوئی بہتر صورت نکل آئے۔

گویا:

کوئی محترم انسان اس سے خواستگاری کرے اور وہ قبول کرلے۔

یا

اس کے خاندان والے محترمانہ طور پر اسے اپنے گھر لے جائیں۔

یا

کوئی اور بہتر صورت نکل آئے۔

گویا:

بیوی اور گھریلو خاتون ہونے کی صورت میں اگر گواہ مل بھی جائیں تو نہ صرف یہ کہ اس کو سزا نہیں ملے گی بلکہ اس کا جرم بھی ثابت نہیں ہو گا فقط الزام لگانے والے کی اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا معاف ہو جائے گی۔

اس نکتہ پر اگر کرامتِ بَشَری یعنی انسانی کرامت کے ساتھ غور کیا جائے تو ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ کی نگاہ میں خواتین کی عفت و کرامت کتنی اہم ہے!!!

لیکن:

ہمارے اصل موضوع کے مطابق یہاں بھی اہم بات یہ ہے کہ ان گواہوں میں مرد وزن کی تفریق نہیں ہے۔

یہاں:

چاروں گواہ خواتین بھی ہو سکتی ہیں۔ گھریلو معاملات میں زیادہ تر خواتین ہی گواہی دے سکتی ہیں کیونکہ عام طور سے گھریلو معاملات میں وہی زیادہ متحرک ہوتی ہیں۔

یا:

ایک مرد اور تین عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

یا:

دو مرد، دو خواتین بھی ہو سکتی ہیں۔

یا:

ایک خاتون اور تین مرد بھی ہو سکتے ہیں۔

یا:

چاروں مرد بھی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ زانیہ اور زانی کی سزا:

اب اس آیۂ کریمہ پر توجہ فرمائیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي:
فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

(النور: ۲۴: ۲)

اس آیت کے ترجمہ سے پہلے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جن آیات میں لعان اور فواحش (غیر مہذب سرگرمیوں) کا ذکر آیا ہے وہ اگرچہ اس آیت کے بعد آئی ہیں۔ لیکن ہم نے ان کو اپنے موضوع یعنی زن و مرد کی گواہی کی برابری کے مفہوم اور خواتین کی عفت و بزرگواری کے احترام کے سلسلہ میں اللہ جلّ جلالہ کی نظر سمجھنے اور سمجھانے کے لیے پہلے بیان کیا۔

گذشتہ بیان کی ہوئی آیاتِ کریمہ میں کہیں بھی "زنا" کا کلمہ بروئے کار نہیں لایا گیا ہے۔

ایک جگہ "تہمت" کا کلمہ بروئے کار لایا گیا ہے۔ جس سے کسی بھی طرح کی برائی مراد ہے۔ اس میں ممکن ہے گھروں اور خاندانوں کے اندر ہونے والے غیر مشروع جنسی روابط بھی شامل ہو سکتے ہیں مگر اس پر زنا کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔

اس لیے کوئی سزا بھی تجویز نہیں ہوئی ہے۔

ان آیات میں "زنا" کا کلمہ بالکل نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ:

اللہ جلّ جلالہ؛

بشریت کے احترام و عزت و کرامت کو کتنی اہمیت دیتا ہے اور خواتین کی کرامت و عفت اس کی بارگاہ میں کس قدر اہمیت رکھتی ہے!؟

چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ:

زانیہ اور زانی دونوں کو سو، سو کوڑے مارو۔

اگر تم اللہ جلّ جلالہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو تو دین کے سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی اور رعایت اور نرمی نہ برتو۔

اور

ضروری ہے کہ ان دونوں کی اس سزا کو مومنوں کا ایک گروہ عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ (یہ دیکھنا، حسد، بغض اور شماتت یا توہین کی نگاہ سے نہیں بلکہ عبرت اور سبق کی نگاہ سے ہے)

یہاں:

دونوں کی سزا برابر تجویز ہوئی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کی نگاہِ کرم میں زن و مرد برابر ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔

اگرچہ یہاں:

آیت کریمہ میں گواہی کا ذکر نہیں ہوا ہے۔

لیکن،

ہماری عقل اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ اس معاملہ میں بھی صرف شبہ یا الزام تراشی کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔

اس لیے،

اللہ جلّ جلالہ نے ان دونوں کے جرم کے ثبوت کے طریق کار کو ہر دور کے قانون ساز اداروں کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ اس طریق کار کو طے کریں لیکن یہ حد ضرور مقرر فرما دی ہے کہ اس جرم کے ثبوت کے بعد:

اس کی سزا سو (۱۰۰) کوڑوں سے زیادہ نہیں دی جا سکتی۔

ضروری نوٹ:

اس مقام پر دو اہم نکتوں کا ذکر ضروری ہے:

ا۔ یہ کہ قرآن کریم میں جتنی بھی سزاؤں کا ذکر ہوا ہے وہ اس جرم کی سزا کی آخری حد ہے۔ یعنی یہ کہ:

مجرم کے جرم کے ثبوت کے بعد اس کو معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔

اور

اس مقررہ حد سے کم سزا بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔

کیونکہ:

سزا کا مقصد مجرم کو تکلیف میں ڈالنا نہیں ہوتا

بلکہ

جرم کی بیخ کنی ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہر حال میں مجرم کی سزا کو معاف کر دینا اور اس کو اللہ جلّ جلالہ کے حضور توبہ کی ترغیب دلانا ہی بہتر بات ہے۔

البتہ:

یہ بات ابھی تک ہم نہیں سمجھ سکے کہ فقہ اسلامی میں "زنا" کا کلمہ اور اس کی تعریف کب اور کس طرح وجود میں آئی۔ کیونکہ قرآن حکیم میں اس کا کوئی سرا نہیں ملتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ:

- تہمت
- فاحشہ

اور

- زانی

میں کیا فرق ہے؟

الف۔ تہمت:

تہمت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ عمل زنا سے متعلق ہو۔ وہ کسی بھی مرد یا زن کے باہمی نامشروع یا نامناسب اور غیر مہذب تعلقات کے بارے میں ہو سکتی ہے۔

لیکن

چونکہ یہ گھر کے اندر کی بات ہے

اور،

شوہر اور بیوی کے درمیان کی بات ہے تو نہ صرف یہ کہ:

کوئی سزا تجویز نہیں ہوئی ہے،

بلکہ:

قسم اور لعان اور غضب کی دعا کے بعد اس کے لیے اسی گھر کے فرد کی حیثیت سے آبرومندانہ زندگی کی بات کی گئی ہے۔

یہاں کسی جدائی یا طلاق کی بات بھی نہیں ہوئی ہے۔

بلکہ تہمت لگانے والے کو بھی بری الذمہ قرار فرمایا گیا ہے۔

اور

جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کو بھی معاف اور بری الذمہ قرار فرمایا گیا ہے۔

ب۔ فاحشہ:

یہاں بھی واضح طور پر زنا کی بات نہیں کی گئی ہے۔ فاحشہ کا کلمہ بروئے کار لایا گیا ہے۔

فاحشہ کے معانی کوئی بھی نامشروع، غیر مہذب یا معاشرتی طور پر ناپسندیدہ اور کریہہ عمل کے بھی ہو سکتے ہیں۔

ممکن ہے اس کی آخری حد غیر شرعی انتہائی جنسی رابطہ بھی ہو !

جیسے :

الف : نامحرم سے تنہائی میں ملنا۔

ب : خاندان یا گھر کے کسی بھی مرد یا زن سے کوئی ایسا رابطہ جو نامناسب ہو۔

ج : خاندان یا گھر کے کسی مرد و زن سے کوئی بھی غیر مشروع جنسی رابطہ چاہے وہ فقط بوس و کنار یا اس سے ملنے جلنے تک کا ہی رابطہ ہو یا کچھ اور۔

۵۔ شادی شدہ گھریلو اور خاندانی خواتین پر تہمت لگانے والا شخص اگر چار گواہ نہ لا سکے تو اس کی سزا:

اب اس کی بعد کی آیتِ کریمہ پر غور فرمائیں۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ :

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ
ثُمَّ:
لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ
فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا

وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴﴾

إِلَّا الَّذِينَ:

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ

وَأَصْلَحُوا

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾

(النور: ۲۴: ۴ — ۵)

اب اگر کچھ لوگ محصنہ، عفیف، شادی شدہ گھریلو خواتین پر تہمت لگائیں اور اس تہمت پر چار گواہ نہ لا سکیں تو:

ان میں سے ہر ایک کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ۔

اب اس کے بعد سے ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ اب فاسقوں کے زمرے میں آ گئے ہیں۔

لیکن:

اگر اپنی اس حرکت کے بعد یہ:

توبہ کر لیں

اور

اپنی اصلاح بھی کر لیں۔

تو:

اللہ جلّ جلالہ تو ہمیشہ اچھی پردہ پوشی فرمانے والا

اور:

ہر حال میں رحمت ہی کرنے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی زنا کی بات نہیں کی گئ ہے۔ تہمت کی بات کی گئ ہے۔ یہ کسی بھی قسم کی کردار کشی ہو سکتی ہے۔اس لیے اس کا تعلق محصنات یعنی عفیف، گھریلو اور شادی شدہ خواتین سے بیان ہوا ہے۔

یہاں بھی کہیں یہ نہیں آیا ہے کہ یہ گواہ مرد ہوں یا خواتین، یا خواتین اور مرد ملے جلے ہوں۔

کہیں بھی یہ بات نہیں آئی ہے کہ اگر دو مرد ہوں تو چار خواتین، یا تین مرد ہوں تو دو خواتین، یا ایک مرد ہو تو چھ خواتین۔

اس کے علاوہ اس آیتِ کریمہ میں خواتین کی اس عفت و کرامت اور بزرگواری کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کی نظر میں مرد ہی اتنا کم ظرف ہے کہ وہ عفیف خواتین پر تہمت اور الزام لگاتا ہے۔ خواتین گھریلو مردوں کے سلسلہ میں اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوتی ہیں۔

ج۔ زانی:

اب جہاں زانیہ اور زانی کا تذکرہ ہوا ہے۔ وہاں سزا بیان ہوئی ہے۔

یہاں گواہوں کا ذکر نہیں ہے۔

آیتِ کریمہ کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ایسا جنسی عمل ہے جو معاشرہ میں اتنے کھلے عام انجام پاتا ہو کہ اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہی نہیں ہو۔

بظاہر یہ اس جنسی عمل کا نام ہے جو شہروں کے جنسی بازاروں میں انجام پاتا ہے۔

اس کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے جن میں گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ یہ پیشہ ور افراد ہوتے ہیں۔

گھریلو اور خاندانی افراد نہیں ہوتے۔

ہم گذشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ یہاں اللہ جلّ جلالہ نے قرآن حکیم میں ان دونوں افراد کے لیے جرم یا الزام ثابت ہونے کا طریقہ ہر دور کے قانون ساز اداروں پر چھوڑ دیا ہے۔

یعنی اس مقام پر ثبوتِ جرم کے طریق کار کے بیان نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان دونوں کو فقط الزام یا تہمت کی بنیاد پر سزا دی جا سکتی ہے۔ بلکہ معاشرہ کے ذمہ دار افراد کا:

ا۔ پہلا فریضہ یہ ہے کہ ان دونوں پر لگائے ہوئے الزامات کا جائزہ لیں۔

۲۔ پھر ان دونوں کو اپنی صفائی کا موقعہ دیں۔

۳۔ پھر الزام لگانے والوں سے ثبوت طلب کریں۔

اس کے بعد، اگر نعوذ باللہ یہ سنگین ثبوت ثابت ہو ہی جائے تو ان دونوں کو جو بڑی سے بڑی سزا دی جاسکتی ہے وہ یہ کہ:

سو سو کوڑے لگائے جائیں۔

اللہ عزّ وجل فقط اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ:

لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر کسی کا جرم ثابت ہوئے بغیر اس کی حرمت کو لوٹیں اور سڑکوں نیز مجمع عام میں اس کو جلا کر راکھ کر دیں۔

یہ بات جو آج کل ہمارے جاہلانہ معاشرہ میں زور پکڑتی جارہی ہے اس کو قرآن کریم نے بہت سختی سے روکنے کی کوشش فرمائی ہے۔

کرامت و رحمتِ الٰہی:

اس تمام گفتگو سے قرآن حکیم کی اس کرامت اور رحمت کا اندازہ ہوتا ہے جس کے سبب وہ انسانی معاشرہ اور خاندانوں کو کرامت و عفت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہدایت دے رہا ہے۔

اس لیے گھریلو بے راہ رویوں کو قرآن حکیم نے نہ تو "زنا" کہا ہے اور نہ ہی اس کے الزام لگانے پر تہمت لگانا قرار دے کر ان تہمت لگانے والوں کو تنبیہ کی گئ ہے۔ بلکہ جن خواتین پر الزام یا تہمت لگی ہو، ان کو احترام کے ساتھ گھروں میں ہی رکھنے کی ہدایت کی گئ ہے۔

ان آیتوں کے مطالعہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آ جانا چاہیے ہے کہ مومنین کو آپس میں الزامات کے نتیجہ میں عزیزوں کو سزا دلوانے کے بجائے احترام سے گھروں میں ہی رکھنا چاہیے۔ تاکہ بے راہ روی، آزادی اور کثرت سے نہ ہونے لگے۔

اب،

جو روایتیں ان آیتوں کے خلاف ملتی ہیں۔

جن روایتوں میں زنا کے لیے چار ایسے گواہوں کی گفتگو ملتی ہے جو اس عمل کو نعوذ باللہ تمام جزئیات کے ساتھ دیکھیں اور عدالت میں سب کے سامنے گواہی دیں۔ وہ نہ ہی معقول ہیں، نہ ہی شرافت مندانہ۔ نہ ہی اس قابل ہیں کہ معقول افراد اس قسم کی روایتوں کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باب مدینۃ العلم حضرت علی اور اہل بیت اطہار علیہم السلام سے منسوب کریں۔

قرآن حکیم میں نہ اس قسم کی گواہی کا ذکر ہے۔ نہ ہی رجم (گڑھا کھود کر، ملزم کو اس میں ڈال کر پتھر مارنے) کا ذکر ہے۔

اس قسم کی تمام روایتیں من گھڑت، جعلی اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام پر افترا اور جھوٹ باندھنے کی بدترین اور بے ہودہ مثالیں ہیں۔

ہم،

اس بات کو اس پورے شعور کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ، بہت سے افراد اس بات کو سننے کی تاب نہیں رکھتے۔

لیکن،

سچ بات کہنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

تجارت اور مالی لین دین میں

شہادت یا گواہی:

قرآن حکیم کی اس آیتِ کریمہ پر توجہ فرمائیں؛

ارشاد رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

(البقرة: ۲: ۲۸۲)

اے صاحبانِ ایمان !

جب بھی تم کسی سے ایک معین مدت اور وقت کے لیے قرض لو تو:

اسے آپس میں کسی سرکاری کاتب سے عدل وانصاف کے ساتھ لکھوالو۔

کتابت کرنے والے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح اللہ جلّ جلالہ نے اسے تعلیم کے ذریعہ اس مرتبہ تک پہنچایا ہے وہ اپنے علمی مرتبہ کے مطابق عدل کے ساتھ لکھے اور جس کی گردن پر حق (قرض) ہے وہ املاء کروائے (لکھوائے)۔

اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کو حاضر ناظر سمجھے اور کسی کنجوسی سے کام نہ لے۔

اب اگر جو قرضہ لے رہا ہو وہ ناسمجھ یا ضعیف ہو اور نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست عدل وانصاف کے ساتھ لکھوائے۔

اس کے ساتھ اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کی گواہی بھی لکھوالو۔

اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو:

ایک مرد

اور

دو عورتوں کی گواہی لکھوالو۔

مگر،

شرط یہ ہے کہ یہ گواہ اس گواہی کے لیے راضی ہوں (زبردستی گواہی نہ دیں)۔

(یہ دو عورتوں کی شرط کا سبب یہ ہے کہ) اگر ان میں سے کوئی ایک کسی دباؤ میں آکر مکر جائے تو دوسری اسے ہمت دلا دے۔

اور،

گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ جب ان کو (جھگڑے کے وقت) گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔

تم لوگ چھوٹی اور بڑی رقم یا سند اور اس کی مدت لکھنے میں پریشان اور ملول نہ ہو، تھکن کا شکار نہ ہو۔

اللہ جلّ جلالہ کے نزدیک گواہی کے سلسلہ میں یہ بات عادلانہ بھی ہے اور محکم و مستند بھی ہے، اور کم سے کم شک و شبہ کی جڑیں کاٹ دیتی ہے۔

الّا یہ کہ تجارتی معاملہ نقد پر اور عام طور سے تم لوگوں کے درمیان رائج ہو۔ ایسی صورت میں اگر تم خرید و فروخت کرو تو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھو کہ کہ لکھنے والے اور گواہوں کے حقوق میں ان کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر تم نے ان کے حقوق کو پائمال کیا تو یہ بات فسق شمار ہو گی۔

اس اللہ جلّ جلالہ کو ہمیشہ حاضر و ناظر سمجھو جس نے تمہیں حکم دیا ہے اور وہ ہر بات کو جانتا ہے۔

یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جس کو غور اور توجہ سے پڑھے اور سمجھے بغیر، اس سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ خواتین کی شہادت مرد کی شہادت کی آدھی ہے۔

حالانکہ:

اگر غور کریں تو:

اول تو:

یہاں گواہی دینے کی بات نہیں ہے۔

گواہی کے حمل کی بات ہے۔

یعنی یہ کہ:

معاملہ کی انجام دہی کی گواہی پر دستخط کرنے کی بات ہے۔

دوسرے یہ کہ:

یہ گواہی صرف تجارت اور قرض کے لین دین سے متعلق ہے۔

تیسرے یہ کہ:

یہاں دو مردوں کی عدم موجودگی میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ:

جس معاشرہ میں گھریلو عورتیں ان معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتی ہیں۔ اس معاشرہ میں ممکن ہے کوئی بھول جائے یا کسی دباؤ کے سبب معاملہ کی نوعیت کو اچھی طرح نہ سمجھ سکی ہو تو اس وقت دوسری اس کو یاد دلا دے یا سمجھا دے۔

باقی، جیسے گذشتہ آیتوں کے ذیل میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ:

اللہ جلّ جلالہ نے عام طور سے الزام تراشی، تہمت اور افتراء میں گواہی کا کوئی ذکر ہی نہیں فرمایا ہے۔

صرف اس صورت میں گواہی کا ذکر فرمایا ہے جب گھریلو اور عفیف عورتوں پر خاندان کے اندر کوئی تہمت لگائی جائے۔

اس صورت میں اگر چار گواہ نہ ملیں تو یہ حکم ہے کہ تہمت لگانے والے کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں۔

یہاں جن چار لوگوں کی گواہی مطلوب ہے وہ خاندان کے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔اس لیے یہاں گواہوں میں مرد وزن کی تفریق کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

پھر یہ کہ:

خاندان میں اس قسم کے معاملات پر گواہ اسی صورت میں مل سکتے ہیں جب ایک ہی غلطی کئی مرتبہ دہرائی گئی ہو۔

اس لیے:

یہاں یہ شرط بھی نہیں ہے کہ چاروں گواہوں نے ایک ہی عمل کو ایک ہی وقت میں ایک ہی ساتھ دیکھا ہو۔

قضاوت اور اختلافات کے درمیان

فیصلہ کرنے کا بنیادی اصول:

قرآن حکیم کی ان آیاتِ کریمہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

جس طرح ڈاکٹر کا کام مرض کو دور کرنا ہوتا ہے اور مریض سے ہمدردی کے سلوک ہی کی توقع رکھی جاتی ہے۔

اسی طرح:

قانونی اداروں، جج، قاضی اور وکیل کا کام بھی جرم کی بیخ کنی ہے، مجرم کو سزا دینا نہیں ہے۔

اسی لیے؛

ان تمام آیتوں میں نہ تہمت لگانے والے کے لیے کوئی سزا تجویز کی گئی ہے نہ ہی ملزم یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہو اس کے لیے کوئی سزا تجویز کی گئی ہے۔

ان آیتوں میں بنیادی ہدایت یہی ملتی ہے کہ تہمت لگانے والا اور ملزم یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہو، دونوں کے لیے ہی سزا سے بچنے کا راستہ ہی بیان فرمایا گیا ہے۔

جہاں پر اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا کا حکم ہے وہاں گواہوں کی ضرورت ہی نہیں بیان ہوئی ہے۔

بلکہ واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ:

بازاری عورتوں کے پاس جانے والے کے لیے ثبوت کے بعد سزا تجویز ہوئی ہے اور اس کی بھی آخری حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔

کیونکہ یہ دونوں کھلم کھلا گناہ کا بازار لگائے بیٹھے ہیں۔ اور یہ معاشرہ کے لیے ایک ناسور ہے۔

اس لیے:

- اس لیے شریعت کے قانون میں بھی اور جدید دور کے حکومتوں کے قانون میں بھی ملزم کو شک کی بنا پر بری کرنا ہی قاضی اور جج کا فریضہ ہوتا ہے۔
- تمام دنیا کے قانونی اداروں کے فیصلوں میں آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی نظر آتی ہے کہ:

یہ سزا فلاں معاشرتی مشکل کے حل

یا

فلاں سیاسی، سماجی مشکل کے حل کی خاطر دی جا رہی ہے۔

باقی امور میں جن گواہوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں قرآن حکیم میں کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔

اس لیے:

ان تمام تفصیلات کے لیے ہر دور کے قانونی اداروں یا وکلاء یا ججوں کا کام ہے کہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق گواہوں کے بارے میں طے کر لیں۔ اس کے لیے فقیہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱. اول تو قرآن حکیم میں گواہی کا ذکر ضرور آیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی ہے۔
جس کا مطلب یہ ہے کہ گواہی کے بارے میں ہر دور کی ضرورت کے مطابق ہی اس کی تفصیل یا اس کے بارے میں قانون بنایا جانا چاہیے۔
۲. دوسرے یہ کہ: سوائے مالی دستاویز کی گواہی کے اور کہیں بھی گواہوں کی صفات کا تعین اور ان پر جرح کا حق قاضی یا جج کو ہی ہے۔

۳. اس لیے ہر دور کے قانونی اداروں کو یہ حق حاصل ہے کہ جن جرائم کے لیے شریعت نے جتنے گواہوں کی تعداد معین کی ہے وہ ان گواہوں کی شرطیں، صفات اور گواہی کا طریقۂ کار خود معین کریں۔

۴. اس میں چونکہ کوئی شرعی ضابطہ معین نہیں ہوا ہے اس لیے اس ادارے، اس ادارے کے ارکان کا ہماری حوزوی اصطلاح کے مطابق فقیہ یا مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے۔

ان عام قانونی معاشرتی مسائل پر گرفت ہونا ضروری ہے۔

گھریلو معاملات، اولاد اور

گھریلو آمدنی پر بیوی اور میاں کے حقوق

گھریلو معاملات، اولاد اور

گھریلو آمدنی پر بیوی اور میاں کے حقوق

اس مقام پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ عموماً انسانی اور خصوصاً دینی معاشرہ میں خواہ وہ کسی بھی قوم و مذہب کا معاشرہ ہو، خاندانی معاملات اور نسب کو مرد ہی سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ:

یہ ایک شرعی معاملہ ہے ہی نہیں،

دوسری بات یہ ہے کہ:

اگر انسانی اور حیوانی زندگی کا غیر متعصبانہ اور فطری مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہی دیکھنے کو ملتا ہے کہ نسل کی تولید کے عمل میں خواتین اور مادہ کا حصہ مرد اور نر کے مقابلہ میں بہت اہم اور زیادہ ہوتا ہے۔

انسان کی اولاد ماں کے دودھ کے ساتھ اپنی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ اسی طرح بعض حیوانات کی اولاد بھی اپنی زندگی کا آغاز ماں کے دودھ سے کرتی ہے۔

حیوانات میں سے بعض حیوانات کی اولاد جو انڈوں سے نکلتے ہی چلنا پھرنا شروع کر دیتی ہے ان کی بھی ابتدائی زندگی میں اولاد کی حفاظت و تربیت کی ذمہ داری ماں ہی پر ہوتی ہے جیسے مرغی وغیرہ۔

البتہ حیوانات میں بعض ایسے پرندے یا حیوانات موجود ہیں جن کی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ان کے ماں باپ ان کی غذا کی فراہمی اور ان کی حفاظت و تربیت میں برابر کے شریک ہوتے ہیں جیسے کبوتر وغیرہ۔

لیکن؛

انسانی زندگی میں خاندان کی اکائی اور اولاد کی شکم مادر میں پرورش سے لے کر اس کی ولادت کے بعد اس کی زندگی کے اکثر مراحل میں ماں کا حصہ بہت واضح اور شفاف ہوتا ہے۔

ماؤں کو حمل اور وضع حمل کے دوران جن سختیوں سے گزر کر اولاد کی حفاظت اور امانت داری کے ساتھ ولادت پھر اس کی ابتدائی زندگی میں کچھ عرصہ تک اولاد کی غذا، صحت اور سلامتی کے ساتھ اس کی فکری اور جسمانی پرورش کی ذمہ داریاں اٹھانا پڑتی ہیں اور اس سلسلہ میں اس کو جس جانفشانیوں اور قربانیوں کے سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ ہم سب جانتے ہیں۔

ان تمام مسائل کے بارے میں اگر ہم یہ سوچیں کہ ایک ماں کو ماں بننے سے پہلے سے لے کر مرنے تک کے دورانیہ تک اس بات کو پوری طرح سے باور کروادیا جاتا ہے کہ وہ:

۱) اولاد پر کوئی حق نہیں رکھتی۔
۲) اولاد اس کی تمام تر فداکاریوں کے باوجود اس کا اور اس کے خاندان کا حصہ شمار نہیں ہوگی۔
۳) اولاد پر باپ اور باپ کے خاندان ہی کا حق ہوگا۔

۴) طلاق کی صورت میں بھی اس کی اولاد باپ ہی کی تحویل میں رہے گی۔
وغیرہ وغیرہ۔

اس کے باوجود وہ اپنی اولاد سے اپنی محبت اور اس اولاد کی نشوونما اور تربیت میں فقط یہ کہ خیانت نہیں کرتی،

بلکہ

وہ اس کی نشوونما اور تربیت میں بھرپور محبت اور جاں فشانی کے ساتھ بلا کسی اجر کی توقع کے مصروف رہتی ہے۔

پھر بھی عام طور سے اس کی اس کیفیت کی قدر نہیں کی جاتی تو یہ بات ہمیں تو بہت زیادہ غیر انسانی، غیر حیوانی بلکہ درندوں سے بھی بدتر صفت کے طور پر ہی سمجھ میں آتی ہے۔

عالم بشریت میں ماں اور باپ کی اولاد کے ساتھ محبت اور اس کی پرورش، تربیت اور سلامتی کے میدانوں میں عام طور سے ماؤں کی شراکت باپ کی شراکت سے کہیں زیادہ اہم کردار انجام دیتی ہے۔

اگر اس صورت حال کو اچھی طرح تفکر و تدبر کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے، تو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی کہ بشریت کے خاندانی مسائل میں میاں، بیوی/ماں باپ دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر دو ستونوں کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس میں ماں کا ستون باپ کے ستون سے زیادہ اہم اور مضبوط ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے کائنات کے تمام مخلوقات کو آپس میں رحمت و عطوفت و احسان کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

قرآن حکیم میں عفو و در گزر کو انتقام اور عدل پر فوقیت اور اہمیت دی گئی ہے۔

اس لیے جہاں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

و لکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب

(البقرۃ: ۲: ۱۷۹)

اے صاحبانِ عقل و خرد!

تم جو یہ سمجھتے ہو کہ

انتقام ہی میں تمہاری زندگی کا راز پنہاں ہے (ممکن ہے کہ یہ بات درست ہو لیکن ہم نے اس سے پہلے تمہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ):

یا ایہا الذین آمنوا:
کتب علیکم القصاص فی القتل الحر بالحر، والعبد بالعبد، والانثی بالانثی،
فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف و اداء الیه باحسان ذلك تخفیف من ربکم و رحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم۔

(البقرة: ۲: ۱۷۸)

اے صاحبان ایمان !

یہ بات درست ہے کہ (معاشرتی طور پر تم نے اپنے لیے) قتل کے سلسلہ میں قصاص کا قانون بنالیا ہے جو یہ ہے کہ:

- آزاد کے بدلہ میں آزاد
- غلام کے بدلہ میں غلام

اور

- خواتین کے بدلے خواتین
  ہی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

لیکن ہماری طرف سے تمہارے لیے ہدایت یہ ہے کہ:

اگر کسی شخص کو (خواہ وہ آزاد ہو، غلام ہو یا عورت یعنی مؤنث ہو) قتل کر دیا جائے تو اس کے ورثاء (اس قاتل کو اپنا بھائی ہی سمجھیں) اس قاتل بھائی کو بخش دیں تو اس قاتل اور اس کے خاندان والوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ (ماضی کی تلخیاں بھلا کر) ان کے ساتھ احسان اور محبت و کرامت کا سلوک روا رکھیں۔ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے تمہارے لیے آسانی اور رحمت و الفت و محبت کا پیش خیمہ ہے۔

اب اس کے بعد بھی اگر (دونوں فریقوں میں سے) کوئی بھی زیادتی کرے گا تو وہ خود ہی اپنی زندگی اپنے ہی لیے اجیرن کرکے اسے بدترین عذاب میں بدل لے گا۔

ہم نے مدتوں کے تفکر وتدبر کے بعد ان آیات کریمہ سے اس مفہوم تک رسائی حاصل کی ہے۔

کسی اور مناسب موقعہ پر ہم اس پر انشاء اللہ مفصل گفتگو کریں گے۔

یہاں اسی قدر اشارہ ہی ضروری نظر آیا ہے۔

دراصل یہ اشارہ اس بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کیا گیا ہے، کہ:

اللہ عزوجل نے ہمیں یہی ہدایت فرمائی ہے کہ عالم بشریت اور عالم کون و مکان کی بنیاد رحمت و عطوفت و محبت و عشق کے اوپر ہی رکھی گئی ہے۔

محبت ہی عقل کا کمال اور وہ کشش ثقل ہے جس کے سبب کائنات کے تمام موجودات اپنے اپنے مدار میں حرکت کے ساتھ ساتھ دوسرے مخلوقات کے مدار کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو اس کے فرائض کی ادائیگی میں مدد بھی پہنچاتا رہتا ہے۔

اس لیے؛

عالم بشریت کو بھی اپنے معاشرہ کی بنیاد حقوق کی کشمکش کے بجائے عشق و محبت کی بنیاد رحمت و عطوفت اور عفو و درگزر ہی پر رکھنا چاہیے ہے۔

اگر ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں، ہماری عقلیں اس بات کو اچھی طرح ہضم کر لیں تو ہم یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ:

معاشرتی خصوصاً ازدواجی اور خاندانی زندگی حقوق کی کشمکش کے بجائے:

- عشق و محبت
- رحمت و عطوفت
- عفو و درگزر

اور

- ایک دوسرے کے تکامل و ترقی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و ہمدردی پر استوار ہونا چاہیے ہے۔

جو معاشرہ ان بنیادوں پر قائم ہوگا، اس میں ہر وہ شخص جو خود کو کسی بھی میدان میں دوسرے سے بہتر سمجھے گا وہ ان لوگوں کے تکامل و ارتقاء اور عزت و کرامت کو بڑھانے میں فخر محسوس کرنے لگے گا جن لوگوں کو وہ کسی بھی سبب اپنے سے کمتر یا خود کو ان کا سرپرست یا کفیل سمجھتا ہوگا۔

پھر،

اس کے جواب میں دوسرے فریق بھی اس سے محبت و عطوفت و رحمت و عشق و محبت ہی کے دائرہ میں رہ کر زندگی بسر کرنے لگیں گے۔

یوں،

ایک واقعی انسانی اور بشری معاشرہ تشکیل پائے گا۔

اس لیے:

جب ہم ازدواجی زندگی میں:

- گھر،
- خاندان،
- شوہر،
- اولاد وغیرہ

کے لیے خواتین کے جذبۂ ایثار و قربانی کا مسلسل مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں تو؛

ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بشری معاشرہ کا بنیادی ستون خواتین ہی ہیں۔

خواہ وہ:

- بیٹی کی حیثیت سے ہوں
- ماں کی حیثیت سے
- بیوی کی حیثیت سے ہوں
- یا بہو کی حیثیت سے

اس لیے ہمیں اس بات کے ادراک کے ساتھ خاندانی معاملات میں، بیوی اور ماں کی حیثیت کو اصولاً شوہر اور باپ سے بڑا، ورنہ کم از کم شوہر اور باپ کے برابر کا درجہ دینے کے بارے میں اللہ عزوجل کی راہنمائی کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم خاندانی معاملات میں اس اصول کو عملی طور پر اختیار کرلیں تو بہت سے جھگڑے اور اختلافات خود بخود محبت و عشق، رحمت و عطوفت کے سایہ میں بہترین انداز میں تکامل کی طرف حرکت کرنے لگیں گے۔

اور

عالم بشریت کم از کم خاندانی زندگی میں زور، زبردستی، اقتدار اور دولت کی رسہ کشی سے نکل کر وراثت اور ملکیت کے جھگڑوں اور قوانین سے بلند ہو کر عفو و درگزر اور ایثار و قربانی کی راہ پر چلنے لگے گی۔

اس صورت حال میں اگر شوہر بیوی کے مقابلہ میں زیادہ عزت و کرامت و دولت کا حامل ہوگا تو وہ بیوی کو اپنی اس عزت و دولت و کرامت کی بنیاد سمجھ کر اسی کو اس کا مالک و مختار سمجھے گا۔

اور

اگر بیوی، شوہر کے مقابلہ میں زیادہ عزت و کرامت و دولت کی حامل ہوگی تو بیوی شوہر کو اپنی اس عزت و دولت و کرامت کی بنیاد سمجھ کر اسی کو اس کا مالک و مختار سمجھے گی۔

اس لیے، شاید ہمارے قارئین کرام اس بات کو مبالغہ سمجھیں لیکن یہ بات عین واقعیت ہے کہ:

خود ہم نے اپنی خاندانی زندگی میں جب تک ہمارے والدین زندہ رہے ہم نے اپنی عزت و دولت و کرامت کی بنیاد ان ہی کو سمجھا اور ہم نے اپنی عزت و کرامت و دولت کو ان ہی کے نام پر رکھا۔

اسی طرح اپنی ازدواجی زندگی میں بھی اپنی اہلیہ ہی کو اپنی عزت و دولت و کرامت کی بنیاد سمجھا اور ہماری جائیداد اور بینک اکاؤنٹ ان ہی کے نام رہے۔

ان کے عروج ملکوتی کے بعد بھی ہم نے ان کی اولاد ہی کو اپنی عزت و دولت و کرامت کی بنیاد سمجھا اور ان کی جائیداد اور ان کے اکاؤنٹس کو ان کی اولاد ہی کے نام منتقل کر دیا۔

اس طرح:

ہماری اہلیہ کے عروج ملکوتی کے بعد کسی کے بھی دل میں وراثت کی تقسیم کا خیال ابھرنے دیا،

اور نہ ہی:

ہمارے عروج ملکوتی کے بعد ہمارے خاندان میں کسی کے دل میں وراثت کی تقسیم کا خیال ابھرنے پائے گا۔

اسی طرح ہم نے اپنے والدین کے عروج ملکوتی کے بعد اپنے بھائی بہنوں میں وراثت کا خیال ابھرنے ہی نہیں دیا، بلکہ خاندان کے جو لوگ واقعاً ضرورت مند تھے ان ہی میں ان کے اموال کو ان کی ضرورت کے مطابق تقسیم کر دیا۔

اللہ جلّ جلالہ کے حکیمانہ کلام میں

بافضیلت خواتین کا ذکر

اللہ جلّ جلالہ کے حکیمانہ کلام میں
بافضیلت خواتین کا ذکر

اللہ جلّ جلالہ نے قرآن حکیم اور فرقان حمید میں، کچھ خواتین کی فضیلتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان خواتین کو نہ صرف ان کے شوہروں بلکہ تمام انسانوں اور اس سے بھی بڑھ کر تمام جہانوں، "عالمین" پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

ان آیات کا مطالعہ بہت تعقل وتدبر، تقوی اور مرضی الہی کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر مفید قرار نہیں پا سکتا۔ یہ چند مثالیں صاحبانِ تقویٰ اور نیکوکار لوگوں کے لیے ایک بنیادی اصول فراہم کرتی ہیں:

آسیہ، مومنین و مومنات کے لئے نمونۂ عمل:

اللہ جلّ جلالہ نے انسانوں، خاص طور سے مومنوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے کہ اس کی نظر میں زن و مرد برابر ہیں۔ اس کی نگاہ میں فضیلت کا معیار زن و مرد ہونا نہیں بلکہ تقوی ہے۔ مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں اور طریقوں سے اس بات کو بہت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔

ا۔ ان مقامات میں سے ایک اہم مقام فرعون کی بیوی کا ذکر ہے:

ارشاد رب العزت ہے:

وَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَکَ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ.

(التحریم:٦٦ :١١)

اللہ عزوجلّ تمام ان لوگوں کے لئے جو مومن ہونے کے دعویدار ہیں وہ مرد ہوں یا زن، فرعون کی بیوی کی مثال دیتا ہے۔

جب وہ ایمان پر ثبات قدم کے اس مرحلے پر پہنچی کہ اس نے اللہ جلّ جلالہ سے عرض کی:

اے رب!

میرے لئے، براہ راست اپنی بارگاہ جلالت میں، جنت یعنی اپنی نگاہِ رحمت و عطوفت کے سایہ میں ایک گھر اور رہن سہن کی جگہ بنادے۔

یوں، تُو، مجھے فرعون اور اس کے برے اعمال اور ظالموں کے گروہ سے نجات مرحمت فرمادے۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ جلّ جلالہ نے واضح طور پر مومنین کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسانوں میں شرافت و کرامت کا معیار مرد یا زن ہونا نہیں

بلکہ

اللہ جلّ جلالہ پر بھرپور ایمان اور اس سے براہ راست تعلقات کی مضبوطی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ:

۱. جو بھی اللہ سے زیادہ مانوس ہو گا۔

۲. جو بھی اللہ سے براہ راست اپنا تعلق مضبوط کرے گا۔

۳. جو بھی اللہ کے چاہنے والوں اور چہیتوں سے بے لوث محبت اور خدمت کرے گا۔

۴. جو بھی اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر ثابت قدم رہے گا۔

۵. جو بھی ایمان اور محبت الٰہی میں ثباتِ قدم کے راستے میں آنے والے مصائب اور آلام کو اپنے لئے اللہ کا انعام سمجھے گا اور اس پر آہ و بکا کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرے گا۔

وہ خواہ مرد ہو یا زن، اللہ کی بارگاہ میں اسی قدر محترم و مکرم قرار پائے گا اور اللہ اسے اپنے بندوں کے درمیان سربلند و معزز قرار دے گا۔

حضرت مریم کی والدہ مکرمہ سے اللہ جلّ جلالہ کا خطاب:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَکَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّراً فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۳۵) فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّکَرُ کَالْأُنْثَى وَ إِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ إِنِّي أُعِيذُهَا بِکَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۳۶) فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَ أَنْبَتَهَا نَبَاتاً حَسَناً وَ کَفَّلَهَا زَکَرِيَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَکَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ

عِنْدَهَا رِزْقاً قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(آل عمران: ۳: ۳۵-۳۷)

(اس وقت کو یاد کرو اور اس بات پر اچھی طرح غور کرو)

جب:

عمران کی بیوی نے اللہ عزوجلّ سے عرض کی کہ اے پروردگار!

تو نے میرے رحم میں یہ جو اتنی بڑی نعمت قرار دی ہے۔ میں تیری بارگاہ میں ہدیہ، تحفہ اور نذرانہ کے طور پر پیش کرتی ہوں۔ تیری راہ میں اسے آزاد قرار دیتی ہوں۔ تو میرے اس سے ناچیز ہدیہ کو مجھ سے قبول فرما لے۔ بے شک تو ہر ایک کی ہر بات کو سنتا ہے۔ معاملات کی گہرائیوں کا علم رکھتا ہے۔

جب:

اس نے وضعِ حمل کیا تو حیران ہو گئی!؟

اس نے بارگاہ ربوبیت میں عرض کیا:

اے رب! یہ کیا ہوا؟

میں نے تو بیٹی پیدا کر دی!؟

اے اللہ جلّ جلالہ:

جس فردِ بَشَر کو میں نے جنم دیا ہے، تو، خود اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے!!

یہ ایک مشہور بات ہے کہ عورت مرد کے برابر نہیں ہوتی۔

میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔

میں اس کے اور اس کی ذریت کے بارے میں تجھ سے شیطان رجیم کے مقابلے میں پناہ مانگتی ہوں۔

اللہ جلّ جلالہ نے اس کے اس ہدیہ کو جو مریم اور عورت کی صورت میں تھا، بہترین طریقے سے قبول کر لیا۔ اس کو بہترین طریقے پر نشونما دی۔ زکریا جیسے نبی کو اس کا کفیل بنایا۔

اللہ نے عمران کی بیوی کے اس ہدیہ کی اتنی قدر دانی کی کہ جب بھی ذکریا اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے کھانے پینے کا سامان لے کر محراب میں پہنچتے تھے تو اس کا رزق اس کے سامنے رکھا ہوا پاتے تھے۔ وہ مریم سے ہر دفعہ یہی سوال کرتے تھے:

یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟

مریم یہی جواب دیتی تھیں:

"یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

(آل عمران: ۳: ۳۵-۳۷)

یوں، اللہ جلّ جلالہ نے قرآن حکیم میں اپنا یہ فیصلہ شفاف انداز میں بیان فرمادیا:

میری نظر میں مرد کو عورت پر کسی طرح کی فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اصل فضیلت تقویٰ، اخلاص نیت اور عمل صالح سے ہے۔

حضرت مریم:

حضرت مریم کے سلسلہ میں گذشتہ امتوں کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے، قرآن حکیم میں حضرت مریم کے سلسلے میں مزید آیتوں پر غور فرمائیں۔

ارشادرب العزت ہے:

وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلاَئِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ (۴۲) يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِي وَ ارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (۴۳) ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلاَمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (۴۴)

(آل عمران: ۳: ۴۲-۴۴)

وہ وقت یاد کرو!

جب ملائکہ نے مریم کو اللہ کا یہ پیغام پہنچایا کہ :

اللہ نے تمہیں اپنے لیے خالص و مخلص کر لیا ہے۔ پاک و پاکیزہ کر دیا ہے۔ تم کو تمام جہانوں کی عورتوں پر برتری و بزرگی عطا فرما دی ہے۔

اے مریم!

اپنے رب کے حضور عاجزی سے جھکی رہو۔ ہر حال میں اس کی اطاعت کرتی رہو۔ اس کی بارگاہ میں سر خم کرنے والوں (رکوع کرنے والوں) کے ساتھ ہمیشہ سر جھکائے رہو۔

(اے ہمارے رسول!) :

یہ سب غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعہ بتا رہے ہیں۔

تم، اس وقت ان کے پاس نہیں تھے۔ جب وہ (مریم کی کفالت و سرپرستی کے لیے آپس میں) قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ نہ ہی تم نے وہ منظر دیکھا، جب وہ اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔

انہی آیات کریمہ کے تسلسل میں حضرت مریم کے واقعہ کو یوں آگے بڑھایا گیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

إِذْ قَالَتِ الْمَلاَئِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

وَجِيهاً فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ

وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلاً وَ مِنَ الصَّالِحِينَ

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَ لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۴۷) وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَاةَ وَ الْإِنْجِيلَ

وَ رَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللَّهِ وَ أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ وَ أُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَ مَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(آل عمران: ۳: ۴۵- ۴۹)

پھر وہ وقت آیا جب ملائکہ نے آکر مریم سے کہا:

اے مریم!

اللہ جلّ جلالہ نے تمہیں اپنے "کلمہ" کی بشارت اور خوشخبری عطا کی ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ وہ دنیا و آخرت میں بہت شرف والا ہو گا۔ وہ اللہ جلّ جلالہ کے مقربین میں سے ہو گا۔

وہ تمہاری گود اور گہوارہ سے لے کر اپنی زندگی کے آخری مرحلے تک لوگوں کو اپنی گفتگو سے ہدایت دے گا۔ وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔

تو (مریم نے فرشتوں کو جواب نہیں دیا بلکہ فرشتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ربّ جلیل سے مخاطب ہوئیں)

رب جلیل سے عرض کی:

مجھ سے کیسے بچہ پیدا ہوگا!؟

مجھے تو کسی انسان، بشر نے چھوا بھی نہیں!

اللہ جلّ جلالہ نے جواب دیا:

اے مریم! ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے خلق کر دیتا ہے۔

جب وہ ارادہ کر لیتا ہے تو بس وہ کہتا ہے ہو جا۔ مخلوق اپنی تخلیق کے مراحل میں وارد ہو جاتی ہے۔

میں اس کو کتاب، حکمت، توریت اور انجیل کی تعلیم دے کر بھیجوں گا۔ اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجوں گا۔اسے بنی اسرائیل کی طرف اس طرح رسول بنا کر بھیجوں گا کہ وہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارے پاس اللہ کی یہ نشانیاں لے کر آیا ہوں کہ:

ا. میں تمہارے لئے عام مٹی سے پرندے کا مجسمہ بناؤں گا۔

جب میں اس میں پھونکوں گا تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن
جائے گا۔

اللہ جلّ جلالہ کے حکم سے:

۲. پیدائشی اندھوں

۳. برص کے مریضوں کو شفا دوں گا

۴. نیز مردوں کو زندہ کر دوں گا

اور تمہیں بتا سکوں گا کہ:

۵. تم کیا کھاتے ہو!؟

۶. تم اپنے گھروں میں کیا کیا کچھ اور چھپا چھپا کر کیا جمع کرتے ہو!؟

اگر تم واقعاً دل سے ایمان لانے والے ہو، تو ان سب معاملات میں تمہارے
لئے اللہ کی نشانیاں ہیں۔

پھر ارشاد رب العزت ہے:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَاناً شَرْقِيّاً
(۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَاباً فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ
لَهَا بَشَراً سَوِيّاً (۱۷) قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ
تَقِيّاً (۱۸) قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلاَماً زَكِيّاً(۱۹)
قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلاَمٌ وَ لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَ لَمْ أَكُ بَغِيّاً

(۲۰) قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ
وَ رَحْمَةً مِنَّا وَ كَانَ أَمْراً مَقْضِيّاً(۲۱) فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَاناً
قَصِيّاً (۲۲) فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي
مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْياً مَنْسِيّاً (۲۳) فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلاَّ
تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيّاً (۲۴) وَ هُزِّي إِلَيْكِ
بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَباً جَنِيّاً (۲۵) فَكُلِي وَ اشْرَبِي
وَ قَرِّي عَيْناً فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَداً فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ
لِلرَّحْمٰنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيّاً (۲۶) فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا
تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيّاً (۲۷) يَا أُخْتَ هَارُونَ
مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَ مَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيّاً (۲۸)

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا(۲۹)

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا(۳۰)

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا(۳۱)

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا(۳۲)

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا(۳۳)

(مریم:۱۹: ۱۶- ۳۳)

اس کتاب میں آپ،

مریم کو یاد کریں:

جب انہوں نے اپنے گھر والوں سے دور، مشرق میں رہائش اختیار کر لی تا کہ وہ تنہائی میں اپنے رب سے ناز و نیاز کر سکیں۔

ان سب سے چھپ گئیں۔

پھر:

ہم نے اپنی روح ان کے پاس بھیجی۔ وہ روح ان کے سامنے ایک وجیہ بشر کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

مریم نے اس سے کہا کہ:

اگر تو واقعاً پرہیز گار ہے، تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

اس نے عرض کی:

بے شک، میں تیرے پاس تیرے ہی رب کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ تجھے یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ جلد ہی تجھے ایک پاک و پاکیزہ بیٹا ملنے والا ہے۔

مریم نے کہا:

مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں!

تو میرے وہاں بیٹا کیسے ہو گا!؟

اس نے کہا:

ایسا ہی ہو گا۔

تیرے رب نے فرمایا ہے کہ:

یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔ ہم نے اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ بات حتمی اور لازمی ہے۔

چنانچہ:

مریم نے اس امانت کا بوجھ اٹھا لیا۔ پھر وہ ایک دور اور محفوظ جگہ پر چلی گئیں۔

جب ان کو دردِ زہ شروع ہوا تو وہ ایک کھجور کے درخت کے تنے سے جا لپٹیں۔

انہوں نے (تکلیف کے سبب) کہا:

کاش!

میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔

(یہ کیفیت اس لیے نہیں تھی کہ انہیں اللہ جلّ جلالہ کی بات پر اعتماد نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے تھی کہ وہ معاشرہ سے الگ تھلگ رہی تھیں۔ انہیں دردِ زہ کے متعلق علم نہیں تھا کہ اتنی ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ عموماً ہر

عورت کم از کم پہلی مرتبہ تو اس تکلیف سے اسی کیفیت اور انہی جملوں کے ساتھ گزرتی ہے)

اور،

میرا ذکر ہی صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ اسی دوران ان کو نیچے سے آواز آئی:

گھبراؤ نہیں،

اللہ جلّ جلالہ نے تمہارے لیے، نیچے سے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا ہے،

(کیونکہ:

پانی کے اندر بیٹھ کر وضعِ حمل آسان ہو جاتا ہے۔)

اب کھجور کے تنے کو ہلاؤ، اس سے تازہ اور رسیلی کھجوریں گریں گی۔

خوشی، خوشی کھاؤ پیو (اپنی تکلیف کو بھول جاؤ)

اب اگر تمہیں کوئی بشر دیکھے تو تم زبانِ بے زبانی یعنی اشارہ سے کہہ دو کہ:

میں نے اپنے رحمٰن اللہ جلّ جلالہ کے لیے چپ کا نذری روزہ رکھا ہے۔

اس لیے:

کسی بشر سے بات نہیں کروں گی۔

(اسی دوران حضرت عیسیٰ ماں کی گود میں آ ہمکے) تب وہ اس جگر کے ٹکڑے کو لے کر اپنی قوم قبیلہ میں (واپس) آئیں۔

(لوگوں کو ان کی گود میں بچہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا)

انہوں نے کہا:

تم نے تو بڑا انہونا یعنی ناممکن کام کر دکھایا!؟

اے ہارون کی بہن!

نہ تو آپ کے والدِ گرامی برے مرد تھے، نہ ہی آپ کی والدہ باغی یا بد کردار خاتون تھیں!

(آپ نے یہ کیا کیا ہے؟)

[معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور ان کے خاندان کا سابقہ ایسا تھا کہ پوری قوم ان کی قداست، حرمت، عزت و کرامت کی قائل تھی۔]

اس لیے:

لوگوں کو اس بار تعجب ضرور ہوا۔

مگر،

کسی نے ان پر غلط کام کرنے کی تہمت نہیں لگائی]

انہیں نے خاموشی سے اس گود میں ہمکتے ہوئے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

لوگوں نے کہا:

ہم اس گود میں ہمکتے ہوئے بچے سے کیا پوچھیں!؟

(ابھی ان لوگوں کی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ بلافاصلہ اس بچے نے کہا:

میں!

اللہ جلّ جلالہ کا بندہ ہوں۔

اس نے مجھے

کتاب (قانونِ حیات) عطا فرمائی ہے۔

اور،

مجھے (تمہارے درمیان) نبی بنا کر بھیجا ہے۔

میں جب تک زندہ رہوں گا، خواہ کسی جگہ بھی رہوں، میں سب کے لیے برکتوں ہی برکتوں کا حامل رہوں گا۔

اس نے مجھے صلوٰۃ (اپنی بارگاہ میں رحمتیں، برکتیں اور عفو و درگذر اور اچھے اخلاق بھیجنے) اور زکوٰۃ (کائنات اور بشریت کے تکامل و نشونما) کی نصیحت اور وصیت فرمائی ہے۔

اس نے مجھے اپنی والدہ مکرمہ کے ساتھ نیکی کی وصیت فرمائی ہے۔

اور

مجھے جبر و تشدد اور شقاوت سے پاک رکھا ہے۔ ان دونوں بری صفتوں کو مجھ سے دور رکھا ہے۔

اس لیے:

- جس دن میں پیدا ہوا
- جس دن میں مروں گا
- جس دن میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

مجھ پر سلامتی ہی سلامتی ہے۔

ان آیتوں کے گہرے مطالعہ، ان پر اچھی طرح تفکر وتدبر اور ان کے مفاہیم کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ:

اللہ جلّ جلالہ کی بارگاہ میں زن و مرد، بچے، جوان اور بوڑھے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

- نہ مرتبہ کا
- نہ ذمہ داریوں کا
- نہ حقوق کا
- نہ ایک دوسرے سے رابطہ کا۔

اللہ جلّ جلالہ کی نظر میں سب برابر ہیں۔

اسی لیے ارشاد رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(الحجرات: ۴۹: ۱۳)

اے لوگو!

ہم ہی نے تمہیں مرد و زن سے پیدا کیا ہے۔

اور

ہم ہی نے تمہارے لیے قوم اور قبیلے بھی بنا دیئے ہیں۔

لیکن،

(یہ سب فضیلت کا معیار نہیں ہیں) ان سب کا مقصد یہ ہے کہ تم میں باہمی پہچان، رشتہ داریاں اور تعلقات بڑھیں۔

(اگر تمہیں آپس میں مراتب و درجات کا تعین کرنا ہے تو یاد رکھو) بشر میں فضیلت و کرامت کا معیار فقط اور فقط تقویٰ ہے۔

یہ تقویٰ ایسی صفت ہے جس کے معیار کو اللہ جلّ جلالہ کے علاوہ کوئی بھی تول اور پرکھ نہیں سکتا۔

کیونکہ:

تقویٰ:

عبد و معبود، بشر اور خالق کے درمیان اس کا براہِ راست ایسا رابطہ ہے جس کے معیار کو خود وہ بندہ بھی نہیں تول اور پرکھ سکتا ہے، جس کا یہ تعلق اور رابطہ مسلسل قائم رہتا ہے۔

اس کا فیصلہ اللہ جلّ جلالہ ہی کر سکتا ہے کہ اس کے بندہ کے اس رابطہ میں اس کا:

۱. اخلاص
۲. وابستگی
۳. ہمت
۴. اعتماد

وغیرہ وغیرہ جیسے امور کس منزل و مقام پر ہیں!؟

یہیں پر ہم اس بہت اہم اور قابلِ توجہ، قابلِ تفکر و تدبر نکتہ پر اپنی گفتگو کو اس امید کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ کی مسلسل مدد سے ہم اور ہماری آئندہ نسل کے جوان، مفکر، علماء اور دانشور اس گفتگو کے مزید پہلوؤں اور گہرائیوں کو مزید نئی منزلوں سے روشناس کرائیں گے۔

اسی طرح ہم سب مل کر نصرتِ الٰہی کے اس فریضہ کو سرانجام دیں گے۔ جس کا ذکر اللہ جلّ جلالہ نے سورۂ محمد کی ساتویں آیتِ کریمہ میں یوں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

(محمد: ۴۷:۷)

اے صاحبانِ ایمان!

تم ہماری مدد کرو۔

تب ہی:

ہم خود آگے بڑھ کر تمہاری تمنا، خواہش اور دعا کے بغیر) تمہاری مدد کریں گے۔

گرفت کر کے لطف اٹھانے کی طاقت کو چار چاند لگائیں گے۔

اللہ اَرحم الراحمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ایسا شکر جو جسم و جان کی روئیں روئیں سے رواں دواں ہے، ایسا شکر جو خود اس کو پسند ہے۔

ایسا شکر جو لامتناہی کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ اس کی نہ ختم ہونے والی اور بے طلب عطا ہونے والی رحمتوں، نعمتوں اور سرافرازیوں پر اپنی شرمندگی کے اظہار کی خاطر ہے۔ اس کا مسلسل درود و سلام رحمت ہو تمام انبیاء و رسل خصوصاً حضرت آدم و حوا اور ان کی آل پر، حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر اور حضرت رحمۃ للعالمین اور ان کی آل پر نیز تمام بندگانِ الٰہی

اور افرادِ بشریت پر جو آ چکے ہیں، جو آ کر جا چکے ہیں اور جو آنے والے ہیں خصوصاً علماء، مومنین، صلحاء، مجاہدین، شہداء اور اللہ جلّ جلالہ کے ناصرین اور مددگاروں پر۔ نیز اس کے تمام مخلوقات خصوصاملائکہ پر۔

العبد ین للہ الرحمٰن الرحیم



طلعت سیدہ جعفری



سید حسین مرتضٰی

حوزہ علمیہ قم

فہرست مطالب

فہرست مطالب